دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

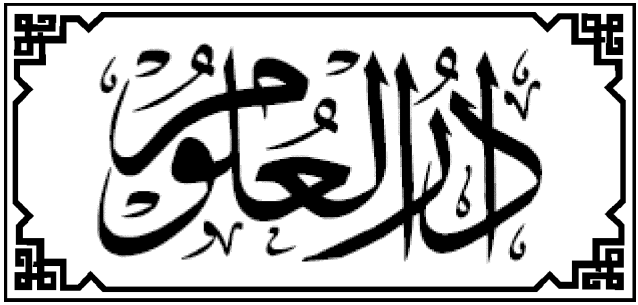

جلد: ۹۴	جمادی الثانی - رجب ۱۴۳۱ھ مطابق جون ۲۰۱۰ء	شمارہ: ۶

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپئے، سالانہ -/۱۵۰ روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۱۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۵۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	نکاح اور اس کے بنیادی مسائل	غلام رسول دیشمکھ	۷
۳	خود ساختہ امن کا محافظ ہی - اصل دہشت گرد	ریحان اختر	۱۳
۴	اشیاء خورد ونوش میں ملاوٹ — میزانِ عقل وشرع میں	محمد تبریز عالم قاسمی	۱۷
۵	امت مسلمہ کے ساتھ پریس (میڈیا) کا رویہ	مولانا محمد اقبال ٹنکاروی	۲۱
۶	حضرت مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانیؒ کی غزلیہ شاعری معاصر ادباء کی نظر میں	اشتیاق احمد	۲۹
۷	عیسائی مشنری اسکولس کا اصل مقصد	مولانا مفتی ابرار متین بیگ قاسمی	۳۶
۸	جنت کا راہی	(مولانا) زبیر احمد صدیقی	۴۳

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

اسلام ایک آسمانی دین ہے اس کے قوانین واحکام رب ہر دو عالم کی تنزیل اور اس کے نبیٔ مرسل کی تبیین وتشریح کے مطابق وضع کئے گئے ہیں، جو اس قدر ہمہ گیر وہمہ جہت ہیں کہ رہتی دنیا تک ان میں کسی ترمیم واضافہ کی حقیقی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور کائنات انسانی کی اس ہدایت ورہنمائی میں دارین کی صلاح وفلاح کی منزلیں طے کرتی رہے گی، خالق ہر دوسرا نے خود اسلام کی کاملیت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (آلِ عمران)

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی، اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا۔

پھر کتاب الٰہی اور سنتِ رسول (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ماہرین فقہائے مجتہدین نے اپنی جاں گسل جہد مسلسل سے ان خدائی قوانین واصول کو تغیر پذیر دنیا کے مسائل ومعاملات پر منطبق کرنے کے لئے ایسے مناہج اور شاہراہیں مقرر کردیں جن پر چل کر علمائے اسلام اور مفتیان دین نت نئے مسائل ومشکلات کا شرعی حل پیش کرتے رہیں گے۔

اسلام کے احکام وہدایات کی آفاقیت اور ہمہ جہتی کا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ صرف اس فنا ہوجانے والی زندگی ہی کے بارے میں رہنمائی نہیں کرتا بلکہ اس جہانِ بے ثبات سے رخصت ہوجانے کے بعد آخرت کی ابدی حیات کے متعلق بھی ہدایات واحکام دیتا ہے۔

جاننے والے جانتے ہیں اور صحیح جانتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات ہماری زندگی کے جملہ

شعبوں اور تمام گوشوں پر حاوی ومحیط ہونے کے ساتھ صحتمند انسانی فطرت اور نیچر کے عین مطابق ہیں، اسلامی تعلیمات واحکام کا یہ ایسا امتیاز اور منفردانہ مقام ہے کہ مذاہب وملل اور تہذیب وتمدن کی وسیع دنیا میں کسی بھی ملت وتہذیب کو اس کی ہمسری نصیب نہیں۔ ''جسے چاہے مالکِ رنگ وبو اسے نکہتوں سے نوازدے''

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر اک کا یہ نصیب یہ بختِ رسا کہاں

ذیل میں اسلام کے آفاقی نظام کا اجمالی اور نہایت اجمالی خاکہ ملاحظہ کیجئے:

۱- **عقاید**: دینِ اسلام کا بنیادی واساسی پتھر جس پر اس کی عمارت قائم ہے، الوہیت، رسالت، آخرت، تقدیر وغیرہ سے متعلق اس کا نظریۂ عقیدہ ہے اسلام انھیں افراد کو اپنا حلقہ بگوش اور فرزند تسلیم کرتا ہے جو اس کی تصریحات اور وضاحتوں کے مطابق مذکورہ بالا حقائق کو دل کی گہرائیوں سے مانتے اور بوقت طلب ان کا اقرار واعتراف کرتے ہیں۔ اسلام کا یہ نظریۂ عقاید متواترات وقطعیات کی مستحکم غیر متزلزل بنیادوں پر قائم ہے جس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور خفا و پوشیدگی نہیں ہے؛ بلکہ نہایت واضح، شفاف، ہموار و استوار شاہراہ ہے، جس پر انسان اپنے ابتدائے وجود سے چلتا آرہا ہے۔

۲- **عبادات**: اسلام کا اپنا ایک نظام عبادت ہے، جس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں پنج وقتہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کو رکن یعنی ستون کی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام کے نزدیک ان چاروں عبادتوں کی فرضیت کا قائل ہونا بھی اس کے زمرے میں شامل ہونے کے لئے لابدی اور ضروری ہے۔ ہر بالغ مسلمان مرد وعورت پر ان چاروں کی ادائیگی اپنی استطاعت وقدرت کے مطابق فرض اور ضروری ہے، ان میں کوتاہی کرنے والوں کو اسلام اپنی پسندیدہ اولاد نہیں مانتا اس کی نظر میں ایسے لوگ سپوت نہیں بلکہ کپوت ہیں۔

۳- **معاملات**: اسلامی تعلیمات کے اس باب کا بھی حدود اربعہ نہایت وسیع ہے جو انسانی زندگی میں پیش آنے والے جملہ معاملات کو گھیرے ہوئے ہے ''تجارت، ملازمت، کرایہ داری، حرفت وصنعت، نکاح وطلاق'' وغیرہ اقتصادیات ومعاشیات سے متعلق جملہ امور مسائل اسی باب کے تحت ہیں۔ علمائے اسلام نے اس باب پر خصوصی توجہ دی ہے اور ان سے متعلق مسائل کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور اسلام کے اقتصادی نظام کا دیگر نظاموں

سے مقابلہ اور موازنہ کرکے واضح کیا ہے۔ اب تک اسلام جیسا متوازن ومعتدل اور پورے انسانوں کے لئے یکساں مفید ونفع بخش اقتصادی نظام پیش نہیں کیا جاسکا ہے۔

۴- **نظام مملکت**: اسلام کا یہ نظام بھی اپنے اندر بڑی وسعت اور ہمہ گیری رکھتا ہے۔ اس نظام کی کلیدی شرط یہ ہے کہ حکومت ومملکت کا قیام ارباب حل وعقد اور عوام کی باہمی رضامندی پر استوار ہونا چاہئے، محض قوت وطاقت کی بنیاد پر انسان کی جماعت پر تسلط انسانی حرمت وشرافت کے منافی ہے۔ پھر حکومت کے جملہ معاملات میں اصل حکمرانی عدل اور قانون وانصاف کی ہونی چاہئے افراد واشخاص کی شخصی رائے اور خواہشات کی نہیں۔ اسی نظام کے تحت فرد کا جماعت سے تعلق نیز مسلم حکومت کا دیگر اہل مذاہب اور مملکتوں سے تعلق پر بھی اسلام اپنی منصفانہ ہدایات دیتا ہے۔ اس موضوع پر فقہائے اسلام نے کتاب وسنت کی روشنی میں مکمل بحث کی ہے، جنھیں ان کی تصانیف میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۵- **نظام معاشرت**: یہ بھی اسلام کا ایک وسیع نظام ہے۔ فرد کا فرد کے ساتھ رشتہ، فرد کا جماعت، سماج، ملک کے ساتھ رشتہ، نیز والدین کے حقوق اور ذمہ داریاں، زوجین کے حقوق اور باہمی ذمہ داریاں، اولاد کے حقوق اور فرائض نیز اہل رشتہ اور پڑوسیوں وغیرہ کے حقوق وفرائض کے بارے میں اسلام کی اپنی ہدایات وتعلیمات ہیں، جن کا مقصد اصلی ایک صالح، انسانیت نواز اور ہر سلیم الفطرت کے لئے قابل قبول معاشرہ اور سماج کا وجود وقیام ہے۔ اسلام کی نظر میں اس معاشرہ کے برپا کرنے میں جو امور مخل اور سدّ راہ بنتے ہیں، وہ ان پر قدغن لگاتا ہے اور پابندیاں عائد کرتا ہے، حجاب نساء اور پردۂ نسواں کا تعلق دراصل اسی سد ذرائع سے ہے۔ عورت کی بے حرمتی یا سماج میں اسے الگ تھلگ کردینے سے قطعی طور پر اس کا تعلق نہیں۔ وہ لوگ جو عورت کی ترقی اور زندگی کے میدان میں اسے بلند مقام پر پہنچانے کے نام پر اسے گھر سے نکال کر کاروباری دفتروں میں پہنچادینے کے جتن میں مصروف ہیں اور اپنی رائے وعمل کے خلاف کسی بات کو سنجیدگی سے سننے کے لئے تیار نہیں ہیں وہ کم از کم آج سے پچاس سال پہلے ہندوستانی سماج کا جائزہ لیں، جبکہ بلالحاظ مذہب وقوم عورتیں بے لباسی کے مقابلہ میں لباس اور بے حجابی کے مقابلہ میں حجاب کو پسند کرتی تھیں اور یہ عام دستور تھا کہ عورتیں جب کسی کام سے گھر سے باہر نکلتی تھیں تو ان کا پورا جسم لباس سے مستور ہوتا تھا حتی کہ چہرے کو چھپانے کے لئے لمبا گھونگھٹ نکال لیا کرتی تھیں، اور انصاف سے بتائیں کہ آج سے پچاس برس پہلے کی ان باحیا پردہ دار عورتوں کی

جان اور عزت وناموس زیادہ محفوظ تھی، یا سڑکوں پارکوں اور دفتروں میں نمائش بدن کرنے والی آج کی ماڈرن عورتوں کی جان اور عزت وناموس زیادہ محفوظ ہے۔ ہاں اس میں کوئی تردد نہیں کہ کمپنیوں، سرکاری دفتروں اور اسٹوروں میں آج کی اہل کار عورتوں کے پاس ان پردہ نشین عورتوں کی بنسبت مال ودولت زیادہ ہے لیکن عزت وناموس کو معرض خطر میں ڈال کر کون باغیرت ہوش مند روپے پیسوں کو ترجیح دینے کی جسارت کرے گا۔

بہرحال اسلام کے دائرۂ احکام کی یہ ایک اجمالی اور نہایت اجمالی فہرست ہے جس سے کسی حد تک اس کی ہمہ گیری کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ علمائے اسلام اور مفتیان دین شرعی طور پر اس کے مکلّف ہیں اور ان کا یہ علمی فریضہ ہے کہ اسلام کے ان احکام وتعلیمات کے بارے میں اگر کوئی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے تو زبان وقلم سے حسب موقع اسے مطلوبہ معلومات بہم پہنچائیں۔ رہا مسئلہ اسلام کے نظریات اور احکامات وتعلیمات پر علمی ونظری بحث وتحقیق کا تو علم وفکر کے تقاضے اور آداب کی حدود میں رہتے ہوئے گفتگو کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

آج کے دور میں جبکہ آزادئ تقریر وتحریر، آزادئ رائے ومذہب وغیرہ کو ہر فرد بشر کا بنیادی حق گردانا جارہا ہے تو کیا یہ حق صرف مغرب گزیدہ میڈیا اور لینن واسٹالن کے پرستاروں کو ہی حاصل ہے؟ یا پابند دین مسلمان اور علمائے دین کو بھی یہ حق حاصل ہے اور بلاشبہ انھیں یہ حق حاصل ہے اور وہ اپنے اس حق کا استعمال کرتے رہیں گے۔

مسلمانوں کے مسائل پر ارون شوری کے دماغ سے سوچنے اور ٹھاکرے کی زبان بولنے والے میڈیا سے متعلق بعض عناصر اور کچھ مسلم نما اسلام سے بے خبر افراد اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے شوروغوغا مچانے سے اسلام کے یہ باوفا اپنے اس حق کے استعمال اور اپنے دینی فریضہ کی انجام دہی سے باز آجائیں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہے، یہ لوگ اپنی عادت کے مطابق غبار اڑاتے رہیں گے مگر یہ کاروان علم ودین اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہے گا۔

نہ ہارا ہے عشق اور نہ دنیا تھکی ہے
دیا جل رہا ہے ہوا چل رہی ہے

❁ ❁ ❁

نکاح اوراس کے بنیادی مسائل

از: غلام رسول دیشمکھ
انجمن روڈ، بھساول (ضلع جلگاؤں)

اسلام دراصل اللہ کی مکمل اطاعت کا نام ہے۔ اسلامی شریعت کا مقصد انسان کی فلاح و بہبود ہے۔ وہ زندگی کے تمام امور ومسائل میں رہنمائی کر کے انسان کو شریعت اسلامی کا پابند بنانا چاہتی ہے۔ زیرنظر مضمون میں شادی بیاہ کے مسائل پر روشنی ڈالی جارہی ہے تاکہ غیر اسلامی اور جاہلانہ رسوم ورواج سے بچا جاسکے۔ شادی بیاہ میں رشتہ کا انتخاب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں شریعت کی کیا رہنمائی ہے؟

رشتوں کا معیار

❁ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عورتوں سے چار باتوں کے پیش نظر نکاح کیا جاسکتا ہے۔ اس کے مال کے پیش نظر، اس کے حسب (خاندان) کے باعث، اس کے حسن کی خاطر اور دینداری کے باعث۔ تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں (یہ جملہ کبھی تعجب اور کبھی تنبیہ وغیرہ کے لئے بولا جاتا ہے) تجھے تو دین دار عورت حاصل کرنا چاہئے'' (بخاری)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

❁ تم ان سے دین کی بنیاد پر شادی کرو۔ کیونکہ ایک کالی کلوٹی کم عقل والی لونڈی بھی اگر دین دار ہو تو وہ دوسری عورتوں سے افضل ہے۔ (حدیث)

مزید ایک جگہ فرمایا:

❁ ''دنیا کی حیثیت ایک متاع ہے اور متاع دنیا میں بہترین چیز نیک عورت ہے۔'' (بہ روایت عبداللہ بن عمرؓ، مسلم)

دراصل دین کا علم اور اس پر عمل بہت بڑی دولت ہے۔ زندگی کو پرلطف و پرسکون بنانے اور

اطمینانِ قلب حاصل کرنے کے لئے دین داری ہی بہتر اور ضروری ہے۔

نکاح کی اہمیت

❁ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے میری سنت کو راہِ زندگی بنالیا پس وہ مجھ سے ہے اور میری سنت نکاح ہے۔'' (حدیث)

جلدی کرو

❁ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے علیؓ! تین کام ہیں جن میں جلدی کرنا چاہئے۔ ایک نماز جب اس کا وقت آجائے۔ دوسرے جنازہ جب کہ وہ تیار ہوجائے۔ تیسرے بن بیاہی عورت کا نکاح جب کہ اس کا مناسب رشتہ مل جائے۔'' (ترمذی۔ حاکم)

رشتہ کے طئے ہونے ہی کو منگنی کہا جاتا ہے۔ لیکن رشتہ طئے ہوجانے کے بعد جاہلانہ غیر اسلامی رسوم ورواج کا ایسا سلسلہ چلتا ہے کہ رسم و رواج کی پیروی میں لوگ شیطان کو بھی شرما دیتے ہیں۔ دراصل اہل ایمان کو مندرجۂ بالا تعلیمات کے مطابق اسلامی احکام کی پابندی کرتے ہوئے رسم ورواج سے پرہیز کرنا چاہئے۔

مہر:

❁ نکاح میں مہر کی حیثیت فرض کی ہے۔ شریعت نے مہر کو عورت کا لازمی حق قرار دے کر ازدواجی زندگی کی اہمیت، قدر و قیمت کو بڑھا کر یہ احساس دلایا ہے کہ نکاح یہ ایک سنجیدہ و لازمی عمل ہے۔

اللہ کا فرمان

❁ ''عورتوں کا مہر خوش دلی کے ساتھ عطیہ کے طور پر ادا کرو'' (سورۂ نساء)

❁ ''ان کا مہر فریضہ کے طور پر ادا کرو''۔

نکاح کے وقت جو مہر طے کیا گیا ہو اس کی ادائیگی مرد پر لازمی ہے۔ اس کو نکاح کے وقت ہی ادا کردینا چاہئے۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''معجّل'' (عجلت سے) کہتے ہیں یعنی فوراً ادا

کردیں۔اوراگرمرداس پوزیشن میں نہیں ہے کہ فوری ادا کرے تو پھر یہ بات طے کرلی جائے کہ وہ کب، کیسے اور کس طرح ادا کرے گا۔اس کو شریعت کی اصطلاح میں موجّل (ادھار) کہتے ہیں۔

❁ ''نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ مہروں میں حد سے نہ بڑھو'' (حدیث)

مطلب یہ ہے کہ مہر کو مرد کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے۔محض نام ونمود کے لئے بڑی بڑی رقمیں طے کرلی جاتی ہیں۔اگر یہ نقد ادا کردی جائے تو افضل ہے اور اگر ادھار ہے اور نیت دینے کی نہ ہو تو دونوں صورتوں میں وہ گنہگار ہوگا۔جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

مہر کی سلسلے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کوئی آخری حد مقرر نہیں کی ہے۔حضرت عمرؓ اپنے دورِ حکومت میں ۴۰ اوقیہ چاندی (تقریباً ۴۵۰ تولہ چاندی) کی حد مقرر کرنا چاہتے تھے کہ اس سے زائد کوئی مہر طے نہ کرے لیکن اس نشست میں ایک عورت نے حضرت عمرؓ کو ٹوک دیا اور کہا کہ اللہ کی تعلیمات کے خلاف فیصلہ کرنے کا آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے؟ جب کہ اللہ کا ارشاد ہے:

❁ ''عورتوں کو اگر تم نے ڈھیر سا مال بھی دیا ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو'' (سورہ نساء)

اس دلیل کو سن کر حضرت عمر نے فرمایا: ایک عورت نے صحیح بات کہی اور مرد غلطی کر گیا۔

دراصل شریعت نے لوگوں کو افراط وتفریط سے روکا ہے کہ لڑکے کی حیثیت سے کم بھی نہ ہو اور اتنا زیادہ بھی نہ ہو کہ ادائیگی مشکل ہی نہیں ناممکن ہوجائے۔

مدینہ کے اسلامی معاشرہ میں اس طرح کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں کہ مہر میں کھجور کے باغ وغیرہ بھی دیئے گئے تھے۔طوالت سے بچنے کے لئے دو مثالیں دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) نبی ﷺ کے پاس ایک عورت جمیلہ بنت ابّی آئی اور اپنے شوہر کی شکایت کرکے کہا کہ میں علیحدگی چاہتی ہوں۔حضور ﷺ نے یہ شکایت سنی اور فرمایا جو باغ تجھ کو اس نے دیا تھا وہ واپس کردے گی؟ اس نے عرض کیا۔ہاں یارسول اللہ۔

(۲) دوسرا واقعہ حبیبہ بنت سہل کا ہے۔جب خاتون نے اپنے شوہر کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ جو مال اس نے مجھے دیا ہے میں واپس کرتی ہوں۔مجھے علیحدگی دلوادیجئے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

❁ ''جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ وہ مہر نہیں دے گا وہ زانی ہے'' (حدیث)

جس نے ایک مال مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ اس مہر کو ادا نہیں کرے گا۔ وہ دراصل زانی ہے اور جس نے قرض لیا اور نیت یہ رکھی کہ اس قرض کو ادا کرنا نہیں ہے وہ دراصل چور ہے۔ (حدیث)

مندرجہ بالا باتوں سے شریعت میں مہر کی اہمیت، حیثیت اور ضرورت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں انجام بھی معلوم ہوجاتا ہے۔

دعوت طعام ولیمہ

دعوت ولیمہ حضور ﷺ کی سنت ہے جو نکاح کے بعد دیا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے تمام نکاح کے بعد ولیمہ دیا ہے۔ چاہے اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ بہرحال اس پر عمل ہونا چاہئے۔

❁ ''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: بدترین کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور محتاجوں کو چھوڑ دیا جائے۔'' (بخاری، مسلم)

عام طور پر جاہلانہ رسموں کے مطابق شادی سے قبل ہی لڑکے کی طرف سے کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے وہ غلط اور غیر شرعی اور سنت ولیمہ کی ضد ہے۔ اہل ایمان کو نافرمانی سے بچتے رہنا چاہئے۔

ایک جاہلانہ رسم

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ طعام گاہ کے قریب میز (ٹیبل) لگا دیا جاتا ہے تاکہ لوگ کھانے سے فارغ ہوکر کچھ رقم جمع کریں۔ یہ بھی ایک بیہودہ رسم ہے کہ کھانے کی دعوت پر لوگوں کو جمع کیا جائے اور ان سے ایک مخصوص رقم (کھانے کا بل) وصول کیا جائے۔

بے پردگی

شادی بیاہ کے موقع پر بے پردگی بہت ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں اپنے حسن کی نمائش کررہی ہیں۔ واضح رہے کہ پردہ فرض ہے۔ اس کی خلاف ورزی بہت بڑا گناہ ہے۔

قرآن کا فرمان ہے:

❁ ''اے نبی! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی

حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں۔ بجز اس کے جو ظاہر ہو جائے۔ اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں اور وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں۔'' (نیز ان کو حکم دو کہ) وہ چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ مارتی چلیں کہ جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے اس کا اظہار ہو۔'' (سورۂ نور:۳۱)

عورتوں کے ستر

عورتوں کے لئے ستر کی حدود یہ ہیں کہ وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کو شوہر کے علاوہ تمام لوگوں سے چھپائیں کیونکہ عورت کے لئے یہ حصے شرم گاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

❁ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی عورت کیلئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، جائز نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ اس سے زیادہ کھولے۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنی کلائی کے نصف پر ہاتھ رکھا''۔

رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا:

❁ ''جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آنا چاہئے، سوائے چہرے اور کلائی کے جوڑ تک ہاتھ کے'' (ابوداؤد)

❁ ''نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی کی ننگی رہیں۔'' (حدیث)

❁ ''حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اپنی عورتوں کو ایسے کپڑے نہ پہناؤ جو جسم پر اس طرح چست ہو کہ سارے جسم کی ہیئت نمایاں ہو جائے۔''

مندرجہ بالا تعلیمات کی روشنی میں خواتین کو بے پردگی سے بچنا چاہئے۔

(یہ احادیث ستر سے متعلق ہیں حجاب یعنی اجنبی سے پردے کا حکم اس سے مختلف ہے، اجنبی مرد کے سامنے چہرے کا ظاہر کرنا بھی درست نہیں ہے۔ مدیر)

وراثت میں لڑکی کا حصہ

وراثت میں لڑکی کا حصہ مرد کے مقابلے میں نصف (½) ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

❁ ''تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ (سورۃ نساء)

لیکن جو لوگ لڑکیوں کا حصہ نہیں نکالتے ان کے تعلق سے فرمایا:

❁ ''اور جو اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا اسے اللہ آگ میں ڈالے گا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن سزا ہے۔'' (سورہ نساء)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

❁ ''جو اپنے وارث کو میراث سے محروم کرے گا تو قیامت کے دن اللہ اس کو جنت کی میراث سے محروم کرے گا۔'' (ابن ماجہ)

ان تعلیمات کے مطابق وراثت میں لڑکی کا نصف حصہ جو شریعت نے مقرر کیا ہے ادا کرنا چاہئے تاکہ اللہ کے غضب سے بچا جاسکے۔ (واضح رہے کہ یہاں صرف لڑکی کے حصے کی بات کی جارہی ہے۔ رہا مکمل وراثت کا معاملہ تو یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے)

تحفہ

تحفہ دینا شریعت میں پسندیدہ ہے لیکن بدلے کی نیت سے نہیں دینا چاہئے۔ یہ بات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو کوئی چیز تحفے کے طور پر دے چکا ہو، بدلے کی نیت رکھے۔ اس ذلیل حرکت کو حدیث میں اس کتے کے فعل سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی ہی قئے خود چاٹ لے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اہل ایمان کو اللہ اطاعت کرنے اور شریعت اسلامیہ کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

❁ ❁ ❁

خودساختہ امن کا محافظ ہی - اصل دہشت گرد

از: ریحان اختر
ریسرچ اسکالر شعبہ سنی دینیات، علی گڑھ

آج کا دور بین الاقوامیت، حقوق انسانی، امن وآشتی اور مساوات ورواداری کے جھوٹے پروپیگنڈے کا دور ہے، پوری دنیا میں امن وشانتی اور تحفظ حقوق کا واویلا مچا ہوا ہے۔ اور بدامنی و دہشت گردی کے خاتمے کے لیے طرح طرح کے قوانین کو نافذ کیا جارہا ہے۔ دور جدید میں دو طاقتیں یعنی ''یہودیت اور عیسائیت'' اقوام عالم کو عام طور پر اور اہل اسلام کو خاص طور پر مغلوب اور زیر نگیں کرنے کے لیے عصر حاضر کے تمام بین الاقوامی ذرائع ووسائل پر اپنا کنٹرول کرکے مسلمان اور اسلام کے خلاف ان کو استعمال کرتی چلی آرہی ہیں۔ شرافت واخلاق، انسانیت نوازی انسان پروری، حقوق آزادی، مساوات ورواداری اور مذہب وعقیدہ کے تمام قوانین وضوابط سے بے پرواہ ہوکر اہل اسلام کے خلاف کمربستہ ہوگئے ہیں۔ تمام دلدوز وہیبت ناک طریقے کو بروئے کار لاکر اپنی فرعونیت کا علم بلند کرنے کے لیے انسانیت کو تہہ تیغ کررہی ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ دین اسلام کے ماننے والوں کی صاف وشفاف شبیہ کو پراگندہ کرنے کے لیے تمام علم وخبر کے بین الاقوامی ذرائع یعنی میڈیا خواہ وہ پرنٹ ہو یا الیکٹرانک میڈیا۔ ٹی وی چینلز ہوں یا کہ انٹرنیٹ، ان تمام ذرائع ترسیل کو اسلام کے خلاف بڑی بے باکی سے استعمال کرتے ہیں۔ اسلام کے خلاف افواہیں پھیلانا اور اس کے ماننے والوں کو فتنہ وفساد اور بدامنی کا خوگر اور دہشت گرد کہنا یہ مغرب کا شیوہ بن چکا ہے۔

عصر حاضر میں مغرب اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے تمام ممالک صرف ایک ہی راگ الاپتے ہیں اور مغرب کی گندی سر سے سر ملاتے ہیں کہ مسلمان کائنات انسانی کے لیے روز بروز ایک بہت بڑا خطرہ بنتا چلا جارہا ہے۔ صفحۂ ہستی سے اس کو مٹانا اپنا نصب العین ہونا چاہیے۔ اسلام ایک شدت پسند مذہب وعقیدہ ہے۔ اس مذہب کے ماننے والے فرد وجماعت، ملک وقوم میں

دہشت گردی وشدت پسندی کو پھیلاتے ہیں۔اوران کی مقدس کتاب قرآن کریم میں غیر اقوام وملل کوقتل وغلام بنانے کی بھرپور تعلیمات موجود ہیں۔اس کتاب کے اندر ظلم وتشدد بھڑکانے جبروقہر ڈھانے والے ضابطہ بھرے پڑے ہیں۔اور نہ ہی اسلام کے اندر اخوت وبھائی چارگی حقوق انسانی، آزادی فکر، مذہبی آزادی، حریت وآزادی مساوات، رواداری اور عدل وانصاف کا کوئی تصور موجود ہے۔اور نہ ہی اسلام کے پاس جدید دنیا سے ہم آہنگ کوئی ضابطہ زندگی اور طرز معاشرت موجود ہے بلکہ یہ ایک سخت گیر، شدت پسند اور دہشت گرد مذہب ہے۔

یورپ نے ایک ایسی اصطلاح کو اسلام کے خلاف اپنے گندے پیٹ سے جنم دیا ہے جس کا نام ''دہشت گردی'' ہے۔اور یہ لفظ اردو زبان میں ''دہشت گردی'' ہندی زبان میں ''آتنک واد'' اورانگریزی میں "Terorism" جو TErors سے بنا ہے۔اور یہ بات مسلم ہے کہ جب بھی لفظ یا اصطلاح کا تکرار مسلسل کانوں کی خوراک بن جائے تو وہ لفظ ذہن ودل میں ایک تصویر بنالیتا ہے۔ یہی حال ہم لفظ دہشت گردی، شدت پسندی، انتہا پسندی، بنیاد پرستی، کٹر پنتھی کا دیکھ رہے ہیں کہ فرد وجماعت ہو، ملک وقوم کے بچے، جوان، بوڑھے ہوں، تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ، ہر ایک کے دل ودماغ میں یہ تمام الفاظ مسلمانوں کے لیے مخصوص ہوگئے ہیں۔ان الفاظ کو مغرب نے بین الاقوامی ذرائع و وسائل کے ذریعہ اتنی زیادہ ترویج واشاعت کی کہ پوری دنیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت کا آتش فشاں بن گئی ہے اور لوگ مغرب کے اس جھوٹ کو بھی سچ کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں اور اہل مغرب اسلام کی حق وصداقت پر اس طرح کی نقاب پوشی کرنا چاہتے ہیں کہ دنیا اس کے بارے میں سوچنا باعث گناہ سمجھے۔جبکہ نام نہاد امن وآشتی کے اس ڈھنڈھورچی کا کردار اس باب میں انتہائی شرمناک ہے۔

اس موقع پر امریکی تاریخ پر ایک سرسری اور طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے چلیں جس سے ہمیں آج کی انسانیت اور حقوق انسانی کے سب سے بڑے مسیحا کی تاریخ کو سمجھنے کا پورا اندازہ ہوجائے گا۔انیسویں صدی کی دوسری دہائی میں تاریخ کو ایسے دلدوز وہیبت ناک مناظر دیکھنے کو ملے جن کی تاریخ کو رقم کرنے میں امریکہ کا اہم کردار رہا ہے۔۱۹۱۶ء میں پہلی جنگ عظیم میں کل ۱۶ سولہ ممالک نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔صرف ترکی ایسا واحد ملک تھا جس نے اس خونی جنگ سے اپنے آپ کو کنارہ کش رکھا اور اس کی جنگ عظیم کا حلیف بننے سے انکار کردیا۔یہ جنگ سربیا کے ایک قوم پرست اور اسٹریا اور ہینگری کے ولی عہد فرانس فرڈی نینڈ کے قتل سے شروع ہوئی۔۱۹۱۶ء

میں شروع ہونے والی پہلی جنگ عظیم نے ۸۵ لاکھ ۲۸ ہزار ۸۰۰ سے زیادہ انسانی جانوں کو لقمہ تر بنالیا۔ ۱۹۱۸ء میں یہ جنگ اپنے اختتام پر پہنچی۔ ۱۹۳۹ء میں شروع ہونے والی دوسری جنگ عظیم میں کل ۲۷ ممالک نے حصہ لیا اور یہ سب کے سب غیر مسلم تھے اور اسی دوران ہیروشیما کا انسانیت سوز سانحہ بھی دیکھنے میں آیا۔ جس میں موجودہ دور کے حقوق انسانی اور امن وشانتی پھیلانے کے سب سے بڑے مسیحا امریکہ نے ایک ایٹم بم کے ذریعہ لاکھوں انسانوں کو سوختہ کرڈالا۔ اور اس ملک کی آب وہوا کو مسموم و پراگندہ بناڈالا۔ جہاں کی فضا پر اب بھی موت کا سناٹا چھایا ہوا ہے۔ جہاں ماہرین سائنس جاکر اب بھی تجربہ کرتے ہیں کہ یہ شہر کب اپنی سابقہ حالت پر لوٹ سکے گا۔ بات اسی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ تین دن کے وقفہ سے ۹/اگست ۱۹۴۵ء کو ایک اور ایٹم بم جاپان کے شہر ناگاساکی پر گرادیا اور آن کی آن میں ۲۸ ہزار سے زائد انسانوں کو جلاکر راکھ کا ڈھیر بناڈالا۔ اور دوسری جنگ عظیم میں ۴۹ لاکھ ۴۰ ہزار انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ۱۹۴۵ء میں ہی چین پر ڈھائی سو جنگی طیاروں کی مدد سے دو لاکھ پونڈ بارود برساکر موت کا رقص عام کیا۔ اسی طرح سے وقفہ وقفہ سے مختلف ممالک امریکی جارحیت و درندگی کا نشانہ بنتے رہے۔ ۱۹۵۰ء میں امریکہ نے کوریا پر چڑھائی کردی ۱۹۵۴ء میں کیوبا میں۔ ۱۹۶۴ء میں امریکہ و ویتنام کی جنگ نے ۴۵ ہزار سے زائد لوگوں کو موت کی لپیٹ میں لے لیا۔ اور اس جنگ کا ایندھن بننے والوں میں بڑی تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی جو یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا جرم کیا ہے۔ کس جرم کی پاداش میں انہیں موت کی نیند سلایا جارہا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں پیروں، اور ۱۹۷۳ء میں لاوس میں، ۱۹۷۵ء میں ویتنام میں، ۱۹۸۷ء میں گرینیڈا، ۱۹۸۴ء میں لبنان میں، ۱۹۸۹ء میں پناما میں، ۱۹۹۱ء میں عراق میں، ۱۹۹۸ء میں سوڈان میں، اور ۱۹۹۹ء میں یوگوسلاویہ میں۔ ان تمام خونی جنگوں کے بعد سوچا جانے لگا کہ شاید اب امریکی انسانیت جاگ اٹھی ہو۔ اس کا نعرہ امن حقیقت میں تبدیل ہوجائے اور دنیا امن وشانتی کا گہوارہ بن جائے۔ امن وامان کا بول بالا ہوجائے۔ لیکن ضمیر فروش اور مردہ دل کے جسم میں انسانیت تھی ہی کہاں کہ جاگتی کیونکہ وہ تو خون چوسنے کا عادی ہوگیا تھا۔ بالآخر پھر اس نے ۷/اکتوبر ۲۰۰۱ء میں افغانستان وعراق میں اپنی درندگی وسفاکیت اور حیوانیت وبہیمیت کا ایسا ننگا کھیل کھیلا کہ روئے زمین تھرا اٹھی لیکن اس کا ضمیر نہیں جاگا۔

تاریخ گواہ ہے کہ دہشت گرد تم ہو نہ کہ مسلمان، دہشت گردی تم پھیلاتے ہو نہ کہ مسلمان، قتل وخون ریزی تمہارا پیشہ ہے نہ کہ مسلمانوں کا، دنیا کے امن وامان میں بدامنی کی فضا تم بناتے

ہو، بدامنی کا ماحول تم سازگار کرتے ہو نہ کہ مسلمان، درندگی وسفاکیت اور بہیمیت وسبعیت کا مظاہرہ تم کرتے ہو نہ کہ مسلمان، حقوق انسانی پر ڈاکہ تم ڈالتے ہو نہ کہ مسلمان، عدل وانصاف کا گلہ تم گھونٹتے ہو نہ کہ مسلمان، مذکورہ ممالک وریاستوں میں معصوموں کے قاتل تم ہو نہ کہ مسلمان، پوری دنیا میں جابرانہ نظام کے قیام کی جدوجہد تم کررہے ہو نہ کہ مسلمان، تم ایک ایسے نظام کے قائل ہو جس میں کمزور وناتواں لوگوں کی حصہ داری نہ ہو بلکہ طاقت وقوت کی حکمرانی ہو۔

ہم دنیائے انسانی کو اپنی زبان وبیان اور تحریر وقلم کے ذریعہ یہ بتادیں کہ اسلام ایک سراپا امن وسلامتی کا دین ہے۔ بدامنی فتنہ وفساد، خوں ریزی وغارت گری اور دہشت گردی سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان تو ایک امن پسند اور ہمدرد وخیرخواہ قوم وملت کا نام ہے۔ دین اسلام کی درخشاں تعلیمات نے جس طرح ماضی میں فرد وجماعت، اقوام وملل اور ملک وقوم کی ترقی میں تعمیری واصلاحی انقلاب برپا کیا تھا۔ آج کے بدلے ہوئے حالات میں بدامنی وتخریب کاری اور فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنے معاشرے میں بھی دین اسلام کی تعلیمات مفید اور معنی خیز ہوں گی اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی تعمیر نو کے لیے سیکڑوں جماعتوں نے تجربات کی دنیا میں غوطہ لگایا ہے لیکن نتیجہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔ اور یہ بات تو مسلم ہے کہ ماضی کی طرح حال میں بھی تعلیمات اسلام کو تجربات کی دنیا میں بروئے کار لاکر ہی امن وآشتی، حقوق انسانی، مساوات و رواداری اور عدل وانصاف کی پیاسی انسانیت کو سیرابی حاصل ہوسکتی ہے۔ اور اس دور کے اہم چیلنج کے لیے نسخہ شفا قرار پاسکتا ہے۔ جس کے ذریعہ ایک مرتبہ پھر خرمن انسانیت میں امن وامان، صلح وآشتی، عدل وانصاف اور مساوات ورواداری کی بہار آسکتی ہے جب ہی پوری دنیا حقیقی امن وسلامتی اور سعادت وکامرانی سے ہمکنار ہوسکتی ہے۔

❁ ❁ ❁

اشیاء خوردونوش میں ملاوٹ — میزانِ عقل وشرع میں

از: محمد تبریز عالم قاسمی
معین مدرس دارالعلوم دیوبند

غذائی اجناس میں ملاوٹ ....، اشیاء خوردنی میں ملاوٹ کے خلاف جگہ جگہ چھاپے...، کھوئے میں آلو کے چھلکے اور شکر قند کا انکشاف ...، ہری سبزیوں کے نام پر لوگوں کی صحت سے مذاق...، مٹھائی کی دوکان پر ایس.ڈی.ایم کا چھاپہ....

اخباروں میں ایسی سرخیاں آئے دن دیکھنے اور پڑھنے کو ملتی ہیں، اللہ جل مجدہ نے اس رنگا رنگ دنیا میں، ہم انسانوں کی خاطر، انگنت اشیاء پیدا کی ہیں، جو ہماری صحت کی بقاء اور استحکام کے لئے ضروری ہیں جو در آنے والی کمزوریوں اور بیماریوں کی مدافعت کرتی ہیں۔ صحت خدا کی بہت بڑی نعمت ہے۔ چہرے پر خوب صورت رنگ اور رونق اسی وقت ابھرتی ہے جب ہمارے پاس صحت جیسی عظیم دولت ہوتی ہے۔ بقول شخصے: کسی بھی فرد یا جماعت کی کامیابی تین چیزوں میں مضمر ہے؛ صحت، صالحیت اور صلاحیت، ان میں صحت سرفہرست ہے۔ اگر انسان صحت مند نہ ہو تو زندگی بے لطف معلوم ہوتی ہے۔ حیات وکائنات کی رعنائیاں بے کیف لگتی ہیں، دنیا اپنی تمام تر رنگینیوں اور جلوہ سامانیوں کے باوجود وحشت ناک نظر آتی ہے۔ انگریزی کا مشہور مقولہ ہے ''ہیلتھ از ویلتھ'' (صحت ہی دولت ہے)

ہندوستان سمیت کئی ترقی پذیر ممالک میں عام آدمی صحت کے حوالے سے بے شمار مسائل سے دوچار ہے۔ اس کے لئے ہم سبھی براہ راست نہ سہی، لیکن بالواسطہ طور پر ذمہ دار ضرور ہیں۔ تشویش میں اضافہ اس وقت ہوتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے کھانے پینے کے سامان اصلی اور قدرتی شکل میں دست یاب نہیں ہیں؛ جب کہ اچھی صحت کیلئے اشیاء خوردونوش کا اپنی قدرتی حالت میں ہونا ناگزیر ہے۔ اگر اچھی اور صاف ستھری غذائیں انسان کو فراہم ہوں تو صحت کے کیا کہنے؛ لیکن آج اچھی اور اصلی چیزیں انسانیت سوز حرکتوں کی وجہ سے اپنی اصلیت ومعنویت

کھوچکی ہیں۔خصوصاً غذائی اجناس میں ملاوٹ کا مسئلہ جس طرح خطرناک شکل اختیار کررہا ہے یہ بڑا ہی تشویشناک امر ہے۔اشیاء خوردنی میں شاید ہی کوئی چیز ہو جو ملاوٹ سے پاک ہو،اشیاء خورد ونوش کے پیک ڈبوں پر لیبل اصلی (Pure) کا چسپاں ہوتا ہے،لیکن اندر اس کا عُشر عشیر بھی ہوتو غنیمت ہے۔نتیجہ یہ ہے کہ مضرصحت اشیاء،کھانے پینے کی چیزوں میں مل کر انسان کے جسم میں پہنچ رہی ہیں اور صحت کو گلارہی ہیں۔حد تو یہ ہے کہ ہوا اور پانی جیسی انسان کی بنیادی ضرورت کی چیزیں بھی اندھی ترقی کی دوڑ میں آلودگی کی زد میں آگئی ہیں،کہا جاتا ہے کہ صحت مند جسم میں ہی صحت مند دماغ ہوتا ہے،لیکن نقلی اور ملاوٹی اشیاء کے سبب نہ جسم صحت مند رہا اور نہ ہی دماغ، ڈپریشن،بلڈ پریشر جیسی بیماریوں کا بڑھنا اس کا بین ثبوت ہے۔

دودھ اور گھی اور ان سے بننے والی اشیاء میں ملاوٹ تو عروج پر ہے،ہر ضلع میں سینتھٹک دودھ بڑے پیمانے پر تیار کیا جارہا ہے جن میں گلوکوز پاؤڈر،گلوکوز ہائیڈروجن وغیرہ ملائے جاتے ہیں؛ بلکہ بعض رپورٹوں کو صحیح مانیں تو ''یوریا'' کھاد کا استعمال ہوتا ہے۔گھی میں چربی اور ہڈی ملائے جانے کا انکشاف بھی ہوا ہے،کھوئے میں آلو کے چھلکے اور شکرقند کا استعمال ہورہا ہے، ڈاکٹروں کے مطابق یہ چیزیں،جگر،آنتوں اور گردے کے لئے انتہائی مضر ہیں۔

ہری سبزیاں صحت کیلئے انمول ہوتی ہیں،لیکن اب ان میں بھی اصلیت برائے نام ہے۔ کیمیکل کی مدد سے ان کی پیداوار بڑھائی جارہی ہے۔اتنا ہی نہیں کریلا،بھنڈی،بیگن،ہری مرچ،ترئی اور مٹر سمیت دیگر ہری سبزیوں کو ہرا اور تازہ دکھانے کے لئے سینتھٹک رنگ کا بھی استعمال کیا جارہا ہے،یہی حال پھلوں کا بھی ہے،پھلوں کو تازہ،میٹھا اور چمک دار بنانے کے لئے کیمیکل کا استعمال بے روک ٹوک ہورہا ہے۔ہری سبزیوں کی قدرتی پیداوار کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی جارہی ہے۔

بیل والی سبزیوں کو کیمیکل کی مدد سے ایک ہی رات میں کافی بڑا کردیا جاتا ہے،ان میں لوکی،کریلا،تربوز،خربوز،کھیرا ککڑی سمیت دیگر سبزیاں شامل ہیں۔عام آدمی کو معلوم ہی نہیں ہے کہ جس کھیرے اور ککڑی کو وہ سلاد میں استعمال کرکے کھارہے ہیں وہ صرف ایک ہی رات میں- محض ۱۰؍سے ۱۲؍گھنٹے میں پوری طرح تیار ہوجاتے ہیں۔

اخبار کی خصوصی رپورٹ کے مطابق منافع خوری کرنے والے ۵۰ پیسے والے آکسی ٹوسن نامی انجکشن سے یہ کارنامہ انجام دیتے ہیں۔ماہرین کے مطابق قدرتی طور سے سبزیوں اور پھلوں کو لائق استعمال ہونے میں تقریباً دس سے پندرہ دن لگ جاتے ہیں۔پھلوں میں سیکرین نامی

کیمیکل ڈالا جارہا ہے، اس سے پھل کا ذائقہ زیادہ میٹھا ہوجاتا ہے، لیکن سیکرین کے استعمال سے یہ پھل صحت کیلئے نقصان دہ بن جاتا ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ آکسی ٹوسن کا استعمال عام طور پر بوقت حمل ڈلیوری میں پریشانی کے وقت کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس دوا کا کوئی استعمال معروف نہیں۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ اس سے تیار کی جانے والی سبزیوں سے لوگ پیٹ اور دیگر خطرناک بیماریوں کی زد میں آسکتے ہیں، بلکہ کینسر تک کی بیماری ہوسکتی ہے۔

روزمرہ استعمال میں آنے والے مسالوں سے لے کر تیل، وناسپتی گھی اور دیگر نقلی غذائی اشیاء لوگوں کو بیمار بنارہی ہیں۔ انسان اگر حالات وموسم کی ناسازگاری وناموافقت کی وجہ سے بیمار ہوتا ہے تو کبھی دواؤں کی بھی ضرورت پڑتی ہے، مگر افسوس یہ دوائیں بھی ملاوٹ ونقل سے محفوظ نہیں، آپ حصول صحت کی غرض سے جو دوا استعمال کررہے ہیں ممکن ہے کہ وہ بہ شکل کیپسل کوئی ٹافی اور بہ شکل ٹانک کوئی شربت ہو، یا کچھ بھی نہ ہو؛ بلکہ نقصان دہ ہو۔ ایکسپائری ڈیٹ دوائیں بھی بھولے بھالے عوام کو دے دی جاتی ہیں، جو بعض دفعہ مرض میں اضافہ کا باعث ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں ایک طرف، دوسری طرف کمرتوڑ مہنگائی کی وجہ سے لوگ پہلے ہی کم پریشان نہیں ہیں۔ اس تناظر میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ جہاں لوگوں کے پسینے کی کمائی برباد ہورہی ہے وہیں صحت بھی خراب ہورہی ہے۔

ان سب ناجائز کاموں کے پیچھے کون سا مقصد کارفرما ہے، ہر آدمی اسے بخوبی سمجھتا ہے، آج دنیا جہاں ایک طرف ترقی کے سارے ریکارڈ توڑ رہی ہے، روزنت نئے انکشافات ہورہے ہیں، وہیں دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان دونوں ہاتھوں ناجائز دولت سمیٹنے کے لئے ہر وہ قدم اٹھانے کے لئے کوشاں ہے، جس کی منزل ''حصول زر'' کے علاوہ کچھ نہیں، لمبی کمائی کی لالچ اور انسان کی لاپروائی نے اسے لالچی بنادیا ہے، جس سے وہ تمام حدیں پار کررہے ہیں، دولت کی ہوس اور شارٹ کرٹ راستے سے بجلد امیر ترین بننے کی تمنا نے، آدمی سے آدمیت کا لبادہ چھین لیا ہے، انسان پیغامِ انسانیت سے ناآشنا ہوگیا ہے۔ ظاہر ہے ملاوٹ اور نقلی اشیاء تیار کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ کم پونجی میں زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کریں، انسان کی صحت خراب ہوتو ہو، شریعت وسماج سے بھی کچھ سروکار نہیں۔ یہ ساری چیزیں اور موجودہ حالات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ دولت کی ناجائز ہوس نے انسان کو انسانی جذبے اور حقیقی اقدار سے عاری کردیا ہے۔

بے روزگاری اور غریبی بھی ملک کا ایک بڑا مسئلہ ہے۔ تاہم اس کی وجہ سے اس عمل کو کبھی جواز کی سند نہیں دے سکتے۔ ملاوٹ خوروں اور منافع خوروں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ خوابوں کو حقیقت میں تبدیل کرنے کے لئے غیر ایمان دارانہ راستہ اختیار کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ ترقی اور مالداری کی معراج کے لئے تو شب وروز محنت ہونی چاہئے۔ ملاوٹ ایک غیر انسانی عمل ہے افسوس اور تعجب تو اس وقت اور بڑھ جاتے ہیں، جب اپنے کچھ مسلمان بھائی بھی ایسی سرگرمیوں اور بدعنوانیوں میں ملوث نظر آتے ہیں، ارے ہم تو امّت محمدیہ میں ہیں، ہماری پاک صاف شریعت، انسانیت نوازی اور حقوق العباد کی پاسداری کا پاک درس دیتی ہے، اور ہر اُن ناجائز کاموں سے منع کرتی ہے جس میں بندوں کے حقوق کا زیاں ہے۔ حرام غذا سے عبادات پر منفی اثر پڑتا ہے، بلکہ ناجائز آمدنی اور ناجائز رزق سے عبادت کی توفیق سلب ہونے کا خطرہ رہتا ہے، مشہور عالم دین، مفسر قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ کی بات نقل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ فرماتے ہیں: ''آج دودھ میں ملاوٹ عام جرم ہے، پانی کی ملاوٹ، مکھن نکال کر سپریٹا دودھ بنانا، دودھ میں پاوڈر ملانا، یہی وہ ناپاک کمائی ہے جس کے ذریعے کی گئی عبادت کو خدا قبول نہیں کرتا۔ حج پر حج کرو یا مذہبی دورے کرو، سب بے اثر ہیں کسب حلال سے کی گئی عبادت ہی آخرت میں کام آئے گی، اس کے علاوہ سب نفس کا دھوکہ ہے۔ آج خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو جس گناہ کی سزا مل رہی ہے وہ گناہ ترک صلاۃ، ترک صوم اور ترک تہجد کا گناہ نہیں ہے؛ بلکہ حقوق اللہ میں دھوکہ دھڑی کا گناہ ہے''۔

سرکار نے اس کے خلاف قانون بنایا ہے؛ مگر طبیعت میں جب خباثت ہو تو قانون کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ یہ بات طے ہے کہ اپنے اندر بے ایمانی کو ختم کیے بغیر، بدعنوانی کا ازالہ ناممکن ہے، کسی بھی برائی کو روکنے کے لئے ضروری چیز قوت ارادی ہے جس کا فقدان جگ ظاہر ہے۔ اس بابت سماج کی فکر اور سوچ میں تبدیلی لانا ضروری ہے۔ وقت مثبت فیصلہ لینے کا متقاضی ہے۔ پورے سماج کو اس کے لئے کوشاں ہونا چاہیے، انقلابی پیش رفت کے لئے ذاتی مفادات کو ختم کرکے آپسی تعاون کے فروغ میں حصہ لینا ضروری ہوگیا ہے۔ اچھے ہیں وہ لوگ جو دیہات میں رہتے ہیں اور خالص قدرتی غذا استعمال کرتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

امت مسلمہ کے ساتھ پریس (میڈیا) کا رویہ

از: مولانا محمد اقبال ٹنکاروی
گجرات

ھارون: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امتیاز: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ارے بھائی کیا بات ہے، کئی دن سے نظر ہی نہیں آتے، اور یہ آپ کو کس کی نظر لگ گئی، آپ تو ماشاء اللہ بڑے موٹے تازے، ڈیل ڈول جسم والے تھے، کیا کوئی الجھن پیش آئی ہے؟ یا کسی بیماری کا شکار ہو گئے ہیں؟

ھارون: بھائی، الحمدللہ کوئی بیماری نہیں ہے، البتہ الجھن ضرور لاحق ہوئی ہے، اچھا ہوا کہ آپ مل گئے اور اپنا بوجھ ہلکا کرنے کا موقع مل گیا۔

آپ بھی شاید اخبارات، ریڈیو اور ٹی.وی. میں کچھ نہ کچھ سنتے، دیکھتے ہوں گے، ہر روز کوئی نہ کوئی مسلمان اخبارات کی سرخی اور ٹی.وی کا ہیرو بنا ہوا ہوتا ہے، کہیں دہشت گردی، بم دھماکے، کہیں کسی کے قتل کے فتوے، تو کہیں قتل پر لاکھوں ڈالر کے انعامات کے اعلانات، الغرض کوئی ہفتہ چین سے نہیں گذرتا، ایسا لگتا ہے کہ اس قوم کو باولے کتّے نے کاٹ کھایا ہے کہ اس کو چین وسکون اور امن وعافیت سے رہنا اچھا نہیں لگتا۔ فتنہ اور ہنگامہ ہی ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، آخر ڈسپلن (Discipline) سیکولرزم، بھائی چارگی، وطن پرستی اور قومی دھارے میں یہ کب شریک ہوگی؟

امتیاز: بھائی، آپ کی بات ظاہر میں تو صحیح لگتی ہے، حقیقت میں مسلمان اخبارات اور میڈیا کے منظورِ نظر بنے ہوئے ہیں، لیکن ذرا ایمانی بصیرت وگہرائی سے حقائق کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے، واقعات کی نوعیت وحقیقت کچھ ہوتی ہے، اور ان کو مخصوص طرزِ فکر وانداز بیان سے بہت سوچ سمجھ کر دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، جس سے یہ احساس دلانا ہے کہ مسلمان ہی دنیا میں ایک جنگ جو، جاہل اور تشدد پسند قوم ہے، مسٹر گوئلر نے کہا تھا کہ جھوٹ اتنی کثرت سے بولو کہ لوگ اس کو سچ سمجھنے لگیں،

اور لارڈ میکالے جس کے افکار وخیالات کی موجودہ تعلیمی نظریات پر چھاپ ہے، اس نے دعویٰ کیا تھا کہ عام پبلک کا حافظہ کمزور ہوتا ہے، لہٰذا کسی بات کو مختلف عنوانات دے کر الگ الگ رنگ میں پیش کیا جاسکتا ہے، تو یہ اخبارات وٹی.وی. والے انہی آقاؤں کی نقالی میں واقعات کو توڑ مروڑ کے مختلف اسلوب وپیرایۂ بیان سے عوام کے ذہن کو گندہ کرنا چاہتے ہیں۔

ھارون: یہ تو آپ لوگوں کا بہت پرانا جواب ہے، جب بھی عالم اسلام کے کسی کونہ میں کوئی حادثہ یا واقعہ پیش آئے تو اس کی ذمہ داری خود قبول کرنے کے بجائے یورپ وامریکہ کے سر پر ڈال دی جائے۔ انگریز کے دورِ حکومت میں دریا کی مچھلیوں کی آپسی لڑائی میں بھی آپ کے بزرگوں کو انگریز کی شرارت نظر آتی تھی۔ یاد رکھئے جو قوم اپنا محاسبہ نہیں کرتی وہ کبھی بھی زندگی کی شاہ راہ پر گامزن نہیں ہوتی ہے۔ اس طرح کے جوابات سے آپ بھولے بھالے مسلمانوں کی بھیڑ کو تو مطمئن کرسکتے ہیں، لیکن ہمارے جیسے گریجویٹ لوگوں کو آپ بے وقوف نہیں بنا سکتے، کیا مسلمانوں نے خود مسلمانوں کی مسجدوں اور مدرسوں پر دھاوہ نہیں بولا ہے؟ الجزائر، پاکستان اور مصر میں بے گناہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہیں کیا گیا ہے؟ صومالیہ میں سخت قحط سالی کے باوجود دو گروہوں کا خونی تصادم، یمن، سوڈان اور افغانستان کی طویل خانہ جنگی، پاکستان کا فرقہ وارانہ جنون، بنگلہ دیش کی جذباتیت، ایران وعراق کی دس سالہ طویل جنگ، عراق اور خلیج کے ملکوں کا تصادم اور اس کے علاوہ دوسری علاقائی ملکی جنگیں جو عالم اسلام کو زبردست جانی ومالی نقصان پہنچانے کے ساتھ اسلام کو بھی بدنام کررہی ہیں، کیا یہ سب ہماری ہی جذباتیت، بے صبری، ناعاقبت اندیشی وبے وقوفی کے نتائج بد نہیں ہیں؟

امتیاز: بھائی! آپ کی بات صحیح ہے کہ مسلمانوں کے بہت سے مسائل ان کے پیدا کردہ ہیں، اور مسلم سماج میں ہونے والے قتل، اغواء اور ظلم وزیادتی کے واقعات ناقابل عفو ہیں، یہ سب غیر اسلامی غیر اخلاقی بلکہ بسا اوقات وحشیانہ بھی ہوتے ہیں، ان کے اقرار کے ساتھ آپ سے اس کی تہہ میں جانے کی اور واقعات کے اسباب وعوامل کا ٹھنڈے دل ودماغ سے جائزہ لینے کی دعوت دیتا ہوں۔ ان واقعات کی اصل وجہ مسلم قیادت کا ردِّ عمل (Reaction) والا جذبہ ہے، اس ردِّ عمل کے رجحانات پیدا ہونے کا واقعی سبب یہ ہے کہ ان تمام مسلم حاکموں کی نشوونما مکمل یورپی افکار وخیالات والے ماحول میں ہوئی ہے، جبکہ ملک کی اکثریت اسلامی معاشرہ ومزاج میں پلی بڑھی ہے۔ اکثر حاکم ظالم وجابر بلکہ انسانیت دشمن ہیں، جن کو عوام کے جذبات اور ان کی

بنیادی ضروریات کا احساس نہیں ہے۔ یورپ کو وہاں جمہوریت وسیکولرزم کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، ان کی ڈکٹیٹرشپ (Dictatiorship) اور تشدد صرف مسلم اکثریت کے حق میں ہی نمایاں ہوتا ہے، اقلیت کے ساتھ یہ سب حالات ہوتے ہوئے بھی ان کا تعلق رواداری بلکہ ان کے حقوق وجذبات ومذہبی تشخصات کا زیادہ لحاظ کرنے کا ہے، مسلمانوں پر ان کے اپنے ملکوں میں نام نہاد آزادی کے دور میں بھی ظلم وستم کے ایسے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، اور انہیں ذلّت ورسوائی، قتل وغارت گری، آبروریزی وعصمت دری، عقائد کی پامالی، اور ذہنی کشمکش کا سامنا کرنا پڑرہا ہے، جتنا کہ حقیقی سامراجی وغلامی کے دور میں بھی نہیں کرنا پڑا تھا، اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھئے کہ یہ حالات صرف مسلم ملکوں میں ہی نہیں، بلکہ دنیا کے بہت سارے غیر مسلم ملکوں میں بھی دہشت گردی، فساد، عورتوں، بچوں اور نہتے لوگوں پر ظلم وتشدد کا بازار گرم ہے، ساؤتھ افریقہ میں کالوں گوروں کی لڑائی، روواندا اور بُرندی میں خود کالوں کی آپسی جنگ، نیپال میں ماؤوادیوں کا ظلم وتشدد، ہندوستان کی شمال مشرقی ریاستوں میں مختلف باغی گروہوں کی سفاکانہ کارروائی، سری لنکا میں کئی سالوں کی خانہ جنگی ولاکھوں افراد کی تباہی، سابق سوویٹ (Soviet) روس میں کمیونسٹوں کی طرف سے کروڑوں انسانوں کا قتل، کمبوڈیا میں کمیونسٹوں اور غیر کمیونسٹوں کے درمیان جنگ، شمالی وجنوبی کوریا کا تصادم، برما سرکار اور حزبِ مخالف کی جنگ، اس کے علاوہ کئی ملکوں میں خونی جنگیں چلتی ہی رہتی ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی جرائم، دہشت گردی اور تشدد کے واقعات غیر اسلامی سماج میں زیادہ پیش آرہے ہیں، کیونکہ غیر اسلامی سماج میں اخلاقیات اور مرنے کے بعد حساب وکتاب کا کوئی تصور نہیں ہے۔ خیر وشر، ظالم ومظلوم، حق وناحق میں کوئی تمیز نہیں ہے۔ اگر آزاد ذرائع سے عالمی نقشہ تیار کیا جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہوگی کہ یورپی تہذیب وثقافت سے متأثر سوسائٹیوں میں مسلم معاشروں کے مقابلہ میں زیادہ دہشت گردی واخلاقی جرائم پائے جاتے ہیں۔

اپنے سیاسی مقاصد کیلئے یورپ وامریکہ نے عالم اسلام کے مختلف ممالک کے درمیان جنگی صورتِ حال قائم کرکے فضاء کو گرمادیا، یہ سب مخفی سازشوں کا احساس مسلم قیادتوں کو نہیں ہے، اِکونومسٹ اخبار نے لکھا ہے کہ مسلم تحریکوں کے متعلق امریکی پالیسی تضاد وتعارض کا شکار ہے، یورپ وامریکہ اگر کسی اسلامی تحریک کے مخالف ہیں، تو دوسری جانب اس کی اعانت بھی کرتے ہیں۔ کسی بھی مسلم انتہاء پسند ودہشت گرد گروہ کی تہہ میں جایئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی

ٹریننگ امریکی صیہونی سراغ رسانی سے ہی وابستہ ہے۔ امریکہ ایک طرف ایران کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے تھا، تو دوسری طرف عراق کے خلاف ایران کو ہتھیار سپلائی کرتا تھا۔

ہارون: آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بھی صحیح لگتا ہے، لیکن ہم روزانہ اخبارات وغیرہ میں جو پڑھتے ہیں اس سے تو یہی احساس ہوتا ہے کہ مسلم سماج میں ہی اس قسم کی دہشت گردی اور بم دھماکے کے واقعات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جبکہ دنیا کی دوسری قومیں، تہذیبیں اور مذاہب والے اس طرح کی بنیاد پرستی سے اپنے کو آزاد کر چکے ہیں، ان کے یہاں مذہبی رواداری و بھائی چارگی پائی جاتی ہے، ہماری طرح مذہبی کٹّر وادو سختی نہیں پائی جاتی ہے۔

امتیاز: بھائی آپ کون سی خوابی دنیا میں جی رہے ہیں، اسلامی سماج میں ہونے والے چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کو رائی کا پربت بنا کر نہایت گھناؤنی شکل میں پیش کر کے لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالی جارہی ہے۔ مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے والے یورپ وامریکہ والے ہوں یا ہندوستان کے تشدد پسند آر- ایس- ایس والے ہوں، سب اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لیں کہ ان کا دامن کتنا پاک ہے؟ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ دنیا کے تمام برسرِ پیکار گروہوں اور باغیوں کو دہشت گردی وتشدد کی ٹریننگ کے اڈے اور ایشیا میں رونما ہونے والے نسلی وگروہی فسادات میں یورپ کا ہی ہاتھ ہے۔ بم دھماکوں اور قتل وخون ریزی کے بہت سے واقعات کی ذمہ داری مسلم تحریکوں پر عائد کی جاتی ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ امریکی ویہودی خفیہ ایجنسیوں کا ہی کام ہوتا ہے، روانڈا میں ہونے والا عظیم انسانی قتل عام جس میں ۶/ لاکھ بے گناہ آدمی مارے گئے، اِکونومسٹ اخبار مظلوموں کی شہادت کے ساتھ لکھتا ہے: کہ امن کی ڈگڈگی بجانے والے چرچ کے بڑے بڑے پادریوں نے ایک فریق کی حیثیت سے اس عظیم خونریزی میں بڑھ چڑھ کر عملی طور پر شرکت کی ہے، کیونکہ یہ جنگ عیسائیوں کے دو مذہبی گروہوں کی بنیاد پر ہوئی ہے۔

اسی طرح انگلینڈ وآئرلینڈ کی دھماکہ خیز لڑائیاں بھی عیسائی مذہبی فرقوں کی جنگ ہیں، لیکن یورپ کو وہ بنیاد پرستی نظر نہیں آتی، کیونکہ دونوں طرف عیسائی ہیں، مسلمان نہیں، حال میں امنسٹی انٹرنیشنل نے کمبوڈیا، سابق یوگوسلاویہ اور سوویت یونین میں مختلف مشترکہ قبروں کا انکشاف کیا۔ یہ کروڑوں کی تعداد میں شہید ہونے والے مسلمان ہیں، جنہیں کمیونسٹوں نے مسلمان ہونے کی وجہ سے شہید کیا تھا، جنوبی سوڈان میں عیسائی باغیوں کو اور ایتھوپیا کے عیسائیوں کو سوڈان کے

خلاف ٹریننگ دے کر امریکہ ہتھیاروں کے ساتھ سوڈان بھیج رہا ہے۔

الجزائر میں سیکولر و جمہوری طرز پر انتخابات ہونے کے باوجود اسلامی دہشت گردی کا بہانہ کرکے الیکشن منسوخ کراکے لاکھوں نہتے عوام کو فوج کے ہاتھوں قتل عام کراکے دہشت گردی پھیلائی جاتی ہے، اور اس کا الزام اسلامی تحریکوں پر عائد کیا جارہا ہے، حالانکہ فرانس کے اشاروں پر یہ سب کچھ ہورہا ہے، تاکہ عیسائیت کے قلعے محفوظ رہ سکیں، اسی بنیاد پرستی کے الزام میں ترکی کی نجم الدین اربگان صاحب کی حکومت کا خاتمہ کرایا گیا، تاکہ وہاں کے عوام اپنی پسند کی تہذیب وکلچر پر عمل نہ کرسکے۔

الغرض مسلمان اپنے دینی شعائر کا مطالبہ کریں تو دہشت گردی ہے، اور دوسرے اگر دین میں مداخلت کریں، اسلامی تہذیب وکلچر ختم کرکے اپنا کلچر زبردستی نافذ کرنا چاہیں تو بھی وہ آزادی و رواداری ہے، واہ رے! جمہوریت وسیکولرزم

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

ہندوستان کی بھاجپا سرکار کا دنیا کے سب سے بڑے سیکولر ملک کی اسکولوں میں ایجوکیشن جیسے اہم شعبے کو بھی مجروح کرنا، کورس میں ہندوتو کو زندہ کرنے کی کوشش، تاریخ وجغرافیہ میں تبدیلی کرنا، کھلے پارکوں میں مذہبی لباس وتریشول سے پریڈ کرانا، یہ سب جمہوریت کے خدّوخال سمجھے جائیں، اور اقلیتی اسکول یا دینی مدرسے ان کو بنیاد پرستی کے اڈّے نظر آئیں، جبکہ مسجدوں اور مدرسوں کے دروازے ۲۴ گھنٹے کھلے رہتے ہیں، سچی بات یہ ہے کہ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' جیسا معاملہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام غیر مسلم قوموں خاص کرکے یورپ کی پوری تاریخ ہی دہشت گردی، ظلم وتشدد، بربریت، خونریزی، قوموں کے بنیادی حقوق کی پامالی اور ان کے تاریخی نقوش اور تہذیب وکلچر مٹادینے سے بھری پڑی ہے، جب انگریز کا سورج چمک رہا تھا تو شمالی افریقہ، صومالیہ، کینیا، زنجیبار، ملایا اور خود برّصغیر میں مسلمانوں کا خون بہانے کیلئے قتل گاہیں (Sloughtr House) بنائی گئیں، اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا، اور کیا اسپین کی تاریخ بھول گئے؟ مذہبی تفتیشی عدالتیں قائم کی گئیں، جس کا مقصد ہی اسپین کے مسلمانوں کو وحشت ناک سزائیں دینا تھا، کتنوں کو زندہ جلایا گیا، کتنوں کے ناخن اکھاڑے گئے، آنکھیں نکالی گئیں، مجموعی طور پر اسپین

میں چرچ کے ظلم وستم کا نشانہ بننے والوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ تک پہنچی ہے، اس کی مزید تفصیل آپ امریکی مصنف وِلیم ڈریپر کی کتاب معرکۂ مذہب وسائنس A History of the conflict between relegion and science میں دیکھ سکتے ہیں۔

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز
ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلمانوں کا لہو مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

ھارون: آپ کی تحقیقی وتفصیلی رپورٹ سے یورپ کی دوہری پالیسی اور مذہبی کٹر بنیاد پرستی بھی کچھ کچھ سمجھ میں آگئی، لیکن مسلمانوں نے اس کے مقابلہ میں جو طریقہ اپنایا ہے کہ ان کے خلاف ہنگامہ آرائی کرکے جلوس نکالنا اور آزادئ رائے پر بالکل ہی بریک لگانا یہ مناسب نہیں ہے، اخبارات وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان آزادئ رائے واظہارِ خیال کے بھی سخت مخالف ہیں، جب کبھی کسی صحافی یا مصنف نے کوئی بات طنزیہ یا مزاحیہ انداز میں لکھ دی تو مسلم سماج آگ بگولہ ہوجاتا ہے، حالانکہ اس آزادئ رائے واظہارِ خیال اور تحقیق وتنقید کے دور میں ہر کسی کو اپنی بات کہنے کا حق حاصل ہے۔ اگر اس طرح کسی کے خلاف قتل کے فتوے، کسی کی کتاب جلادینا یا اس کے خلاف ہنگامہ آرائی ہوتی رہے گی تو ادب، تحقیق وتنقید اور بے لاگ تبصرہ، کارٹون، مزاح وغیرہ جو چیزیں آج کے سیکولر دور میں علوم وفنون کا ایک جزو بن چکی ہیں، بلکہ اب تو اس کو بھی مستقل فن کا درجہ حاصل ہے، وہ ختم ہوجائے گی۔ کچھ لوگوں کا تو کہنا ہے کہ اسلام میں فرد کی آزادی نام کی کوئی چیز ہیں نہیں، مولوی ملاؤں کی باتوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح سر دھنتے ہوئے مان ہی لینا ہے، گویا اب تک مسلمان قرونِ وسطیٰ والی دنیا سے باہر نہیں نکلے ہیں، زمانہ کی نبض شناسی اور وقت کے تقاضوں سے غافل ہوکر ہی مسلمان دنیا میں پیچھے ہیں۔

امتیاز: بھائی ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کی طرح آپ کیا الٹی بات اپنے آقاؤں کے سکھلانے سے بول رہے ہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ دنیائے انسانیت کو فرد کی آزادی کا احساس سب سے پہلے اسلام نے ہی کرایا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرد کی آزادی کا وہ عالم گیر سبق سکھلایا تھا کہ لوگ خود آپ کے بھی کسی عمل کے بارے میں آپ سے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دریافت کرلیتے تھے، ایک باندی اپنے شوہر کے نکاح میں رہنا نہیں چاہتی تھی، آپ ﷺ کے فرمانے پر عرض کرتی ہے کہ اللہ کے رسول اگر آپ کا حکم ہے تب تو سر آنکھوں پر؛ اور اگر مشورہ ہے تو مجھے منظور نہیں ہے، ایک جوان عورت آپ ﷺ کی خدمت میں آکر ہمت سے عرض کرتی ہے کہ اللہ

کے رسول میرے والد نے میرا نکاح میرے چچازاد بھائی سے طے کیا ہے، جو مجھے منظور نہیں ہے، تو پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہیں نکاح رد کرنے کا اختیار ہے، لڑکی کہتی ہے کہ باپ کا طے کیا ہوا نکاح تو رد نہیں کرتی، لیکن عورتیں یہ بات جان لیں کہ شریعت نے باپ کو مکمل اختیار نہیں دیا ہے، اس لئے میں نے درخواست دی ہے۔

ایک بوڑھی عورت کھڑے ہوکر ۱۰/لاکھ مربع میل کے رقبہ پر حکومت کرنے والے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے کہتی ہے کہ عمر ٹھیک ٹھیک حکومت کرنا، قاضی شریح خلیفۂ وقت حضرت علیؓ سے عدالت میں آپ کے فرزندِ ارجمند حضرتِ حسین کو گواہ بنانے پر یہودی کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں، مصر کے فاتح اور گورنر حضرت عمرو بن عاصؓ کے لڑکے ایک قبطی کی پٹائی کرتے ہیں، وہ قبطی مصر سے مدینہ منورہ آتا ہے اور حضرت عمرو بن عاصؓ کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے کہنے سے گورنر کے لڑکے کو کوڑوں سے سزا دیتا ہے، اس طرح کے سینکڑوں تابناک وشاندار واقعات سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔

اسلام اس طرح ظلم وجبر، انسانی جان کی بے قدری، عدم مساوات، بے حیائی، رشوت خوری، سود اور جنسی بے راہ روی وغیرہ انسانی سماج میں ہونے والی برائیوں کو خود بھی ناپسند کرتا ہے، اور ان کی مذمت میں لکھنے والوں اور انسانی آزادی کے علمبرداروں کا خوب استقبال کرتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ یورپ کو فرد کی آزادی کے نام پر صرف ایک ہی مضمون ملا ہے، وہ ہے اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اسلام ﷺ کی مقدس ذاتِ گرامی، کاش کہ وہ انسانی سماج کو گھن کی طرح کھانے والے مہلکات اور مصائب سے نجات دینے کے لئے قلم اٹھاتے، لیکن وہاں ان کی روشنائی خشک ہوجاتی ہے، آزادئ رائے کے نام پر آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ معاندانہ انداز میں لکھی گئی، آپ کے ساتھ گستاخی کرتے ہوئے انتہائی گندی اور بازاری زبان استعمال کی گئی۔

حتی کہ یورپ کی ڈکشنریاں، انسائیکلوپیڈیا، تاریخ وجغرافیہ کی کتابیں بھی اس گندہ ذہنی سے محفوظ نہ رہ سکیں، تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد اسلامی غیرت کو چیلنج کرنے والے اور دینی عظمت وتقدس سے بے اعتمادی پیدا کرنے والے مباحث ومضامین اٹھائے جاتے ہیں، کچھ نام کے مسلمان اہل قلم جن کی ذاتی صلاحیت وحیثیت یورپ کے نزدیک سوائے اسلام دشمنی کے کچھ بھی نہیں۔ لیکن وہائٹ ہاؤس میں ان کے ساتھ خفیہ میٹنگ ہوتی ہیں، ان کی حفاظت کی فکر یورپ وامریکہ کو ہوتی ہے۔ بنگالن مصنفہ کی ان کو فکر ہے اور کروڑوں بنگالی عوام سیلاب اور قحط سالی کے

شکار ہوئے، ان کی کوئی فکر نہیں۔ کبھی تجارتی کمپنیوں کی طرف سے اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اسلام ﷺ کے نام مبارک کی توہین کرنے والے جوتے، کپڑے وغیرہ تیار کر کے مسلمانوں کے احساسات کو مجروح کیا جاتا ہے؛ بلکہ انٹرنیٹ جیسے اہم کمپیوٹری شعبہ میں بھی وہ کتابیں اور مضامین منظر عام پر لائے جاتے ہیں، جن پر سرکاری طور سے پابندی ہوتی ہے، چند سال پہلے فلسطینی وزارت کو ایک کمپیوٹری ڈاک ملی، جو انٹرنیٹ کے ذریعہ نیویارک سے بھیجی گئی تھی، جس میں آپ ﷺ کی نہایت گھناؤنی وگندی تصویر بنائی گئی تھی، ترکی میں پیغمبر اسلام کے خلاف لکھنے والوں کو کوئی سزا نہیں اور مصطفیٰ کمال پاشا پر تنقید کرنا قابل سزا اور ملک سے غدّاری کے مرادف ہے، یہ حال ہے آپ کی آزادئ رائے کا۔

اس قوم میں ہے شوقی اندیشہ خطرناک جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ آزادئ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

❁ ❁ ❁

حضرت مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانیؒ کی غزلیہ شاعری معاصر ادباء کی نظر میں

از: اشتیاق احمد
مدرس دارالعلوم، دیوبند

دیوبند کی سرزمین بڑی زرخیز ہے، یہاں ہر زمانے میں ایک سے ایک صاحب فضل وکمال رہے ہیں، اربابِ علم وہنر، صاحب فکر وفن اور زبان وادب کے شناوروں نے دیوبند کا نام روشن کیا ہے، یہاں کے انشا پردازوں نے بامقصد فن پاروں کے ذریعہ جہاں بڑے بڑے انقلابات برپا کیے ہیں، وہیں زبان وادب کی آبیاری بھی کی ہے۔ آج بھی یہاں کے نغموں کی مہک اور غزلوں کی صداقت ملک بھر میں؛ بلکہ اردو ادب کی دنیا میں اپنی شناخت اور ممتاز پہچان رکھتی ہے، ان میں بہت ہی نمایاں اور بجا طور پر فخر کیا جانے والا نام، عظیم پُرگو شاعر ''حضرت مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی دیوبندیؒ'' کا ہے، یہ جہاں ایک طرف بڑے فقیہ اور جید عالم دین، دارالعلوم دیوبند کے نائب مفتی تھے؛ وہیں اردو ادب کی دنیا میں جانے پہچانے شاعر وادیب بھی تھے، ان کی شاعری نصف صدی پر محیط ہے، اِن کا شمار ملک کے اُن شاعروں میں ہے، جن کے یہاں فکر ونظر، جذبۂ تخیل اور لفظ ومعانی کے درمیان ایک ربط، ایک تسلسل پایا جاتا ہے، جن کی شاعری میں زندگی کی عکاسی، حالات وواقعات کی بجا ترجمانی لفظوں کے قالب میں ڈھل کر سامنے رقص کرنے لگتی ہیں۔

نشاط مرحوم نے جس سلیقے سے اپنے احساسات، جذبات، مشاہدات اور تخیلات کا فنکارانہ اظہار کیا ہے، اس سے ان کی فکری آفاقیت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے، ان کا کلام انفعالی ابتذال سے دور ہے، البتہ اس میں شرافت، حسن اخلاق اور حسن وعشق کی رعنائی کا آہنگ خوب خوب ملتا ہے، غزل میں مضامین کا تنوع اور معنوی وسعت بے انتہا موجود ہے، حالی نے ''مقدمۂ شعر وشاعری'' میں غزل کی معنویت کو وسیع کیا ہے، اس سے نشاط صاحب بخوبی واقف ہیں، ان کی

شاعری نئے دور کے تقاضوں کو بخوبی پورا کرتی ہے، ان کے اسلوب و آہنگ سے ہر قاری متاثر ہوتا ہے، ان کی ''غزل گوئی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے، جناب ندیم الواجدی لکھتے ہیں:

''ان کے یہاں غزل نے اس قدر وسعت اختیار کی ہے کہ وہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہوگئی ہے، ان کی شاعری میں غزل تمام تر فنّی لوازم کے ساتھ مخصوص آہنگ اور اسلوب میں اپنے جلوے بکھیرتی نظر آتی ہے، وہ فن کی نزاکت اور باریکیوں پر نظر رکھتے ہیں، ان کے یہاں بے ساختگی بھی ہے اور سبک روی بھی، نغمگی بھی ہے اور شائستگی بھی، وہ سیدھے سادے انداز میں زندگی کی تلخ حقیقتوں اور سچائیوں کو اس قدر بے ساختگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والا جذبوں کے گہرے سمندر میں ڈوب جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ گہرا علم رکھتے ہیں، اس لیے ان کے یہاں گہری بصیرت بھی ہے اور بالغ نظری بھی، ان کے اشعار میں حسن خیال کی معنی آفرینی تو ہے، لیکن بے راہ روی اور کج فکری نہیں ہے، ہر شعر کوثر و تسنیم سے دُھلا دھلایا معلوم ہوتا ہے۔'' (ترجمانِ دیوبند جون ۲۰۰۶ء)

آگے مزید رقم طراز ہیں:

''جو خیالات اُن کے یہاں ملتے ہیں، جو نظریات وہ پیش کرتے ہیں، جو محسوسات ان کی غزلوں میں جھلکتے ہیں وہ سب اُن کے باطن کا پرتو اور ان کے اندرون حقائق کا آئینہ دار ہیں۔

ان کے مزاج میں سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، وہ حسن اخلاق کے جوہر سے بھی سجے سجائے نظر آتے ہیں؛ چنانچہ یہ دونوں وصف ان کی شاعری پر بھی غالب ہیں۔'' (ایضاً)

دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز ادیب جناب مولانا نور عالم خلیل امینی زید مجدہ نشاطؔ مرحوم کی وفات کے بعد ایک تاثراتی مضمون میں، ان کا تعارف اس طرح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

''مرحوم نشاطؔ اردو زبان کے اچھے نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ، قادر الکلام شاعر بھی تھے، انھوں نے مختلف اسلامی موضوعات پر گراں قدر مضامین لکھے، جن میں زبان کی ستھرائی اور مطالعے کی گیرائی و گہرائی نمایاں ہوتی تھی، میں نے خود کئی مضامین پڑھے اور ان کی علمی لیاقت کی داد دی۔'' (ماہنامہ فیصل ہند، ص: ۴۸)

آگے شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان کے اشعار میں مولانا حالیؔ کی طرح لفاظیت سے اجتناب ہوتا تھا، لیکن معانی اور خیالات کا انوکھا پن، زندگی کی سچائیوں کی سچی ترجمانی اور انسانوں پر بیت رہے ظلم و ستم کی کہانی کا

آہنگ بہت اونچا اور اس کا رنگ بہت شوخ ہوتا تھا۔ ان کے اشعار بھی اس راقم نے بہت سے رسالوں میں پڑھے اور ان کی پختہ وخوش گوئی سے ہر بار نیا لطف ملا، بعد میں ان کے اشعار کا ایک مجموعہ ''شناسا'' کے نام سے چھپا، جس کے ذریعہ لوگوں کو ان کے کہنہ مشق شاعر ہونے کی شناسائی ہوئی....

ان کے شعر میں منیرؔ کی نزاکت، غالبؔ کی حلاوت، حالیؔ کی گہرائی، داغؔ کا سوز، مومنؔ کی شفافیت، جگرؔ کی روانی، اصغرؔ کی تپیدگی، فانیؔ کا انداز اظہار غم والم اور کہیں کہیں اقبالؔ کی بلند آہنگی اور احساس بلندی بھی ہے۔'' (ایضاً)

مولانا امینی جہاں عربی زبان وادب کے غواص اور شناور ہیں، وہیں ان کو اردو ادب سے بھی عشق کی حد تک تعلق ووابستگی ہے، ایک جگہ نشاطؔ مرحوم کی شاعری سے محظوظ ہونے کے بعد فرماتے ہیں:

''مفتی کفیل الرحمٰن نشاطؔ کے اشعار، رواں دواں اور پیہم جواں زندگی کے نت نئے مسائل کی ترجمانی میں لب ولہجہ، انداز وادا اور رنگ وآہنگ کے تعلق سے اپنی مخصوص طرح رکھتے ہیں، زندگی کی کامرانیوں اور فیض بختیوں اور اس کی ناقابل تلافی ناکامیوں اور محرومیوں دونوں کی نقشہ گری اپنے اشعار میں لاجواب انداز میں کرتے ہیں، ان کے اشعار کا بغور مطالعہ کیجیے اندازہ ہوگا کہ وہ شاعر کی پاکیزہ نفسی، روح کی شفافیت، احساس کی نزاکت، تخیل کی بلندی، مسائل حیات کے احاطے اور کائنات کی سچائیوں کی ہمہ گیر تعبیر پر شاہد عدل ہیں۔'' (ایضاً، ص:۴۹)

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کوہِ غم ٹوٹ پڑے دید و دل پر کتنے
قافلے درد کے آئے ہیں برابر کتنے
خشک کانٹوں سے ٹپکتا رہا کلیوں کا لہو
قتل گاہوں سے ملے پھول سے پیکر کتنے
ہم ہیں منصور لبِ دار نے چوما ہم کو
ہم ہیں سقراط ملے زہر کے ساغر کتنے
ہم نے دیکھے ہیں بُرے وقت کے منظر کتنے
پھول بن جاتے ہیں حالات کے پتھر کتنے

حادثہ شرط محبت ہے تو تسلیم مگر
حادثے ہوں گے مرے قد کے برابر کتنے

مقطع ملاحظہ ہو:

صرف الفاظ کے پیکر نہیں اشعارِ نشاطؔ
فکر ومعنی کے سموئے ہیں سمندر کتنے

ایک غزل میں اس طرح نغمہ سرا ہیں:

ملا کرو کبھی ہم سے تو زندگی کی طرح
یہ کیا کہ دیکھ کے اٹھ جاؤ اجنبی کی طرح
سمٹ سکو تو سمٹ جاؤ ماہتاب صفت
بکھر سکو تو بکھر جاؤ چاندنی کی طرح
تمہاری ریشمی زلفیں رخِ حیات کی ضو
مسخر کے دوش پہ مانوس تیرگی کی طرح
رہِ حیات کے غم میں نشاط کا پہلو
کسی کے حسن لب ورخ کی دل کشی کی طرح

مزید چند اشعار پیش ہیں:

دستِ قدرت نے سموئے ہیں اُجالے مجھ میں
جب ضرورت ہو چراغوں کی، جلا لو مجھ کو

زیست کی راحت ڈھونڈنے والو
زیست مکمل دھوپ نہ سایہ

جس کو ہم رندِ بلا نوش کہا کرتے تھے
اس کو نزدیک سے دیکھا تو فرشتہ نکلا

ترے غم کی وسعتوں میں غم کائنات پنہا
ترا غم رہے سلامت تو ہزار غم گوارا

نشاطؔ مرحوم نے اپنے چالیس سالہ ادبی سفر کی تکمیل پر اپنے منتخب ''سوعدد'' کلام کا مجموعہ شائع کیا، اس کا نام ''شناسا'' رکھا، لکھتے ہیں:

''تقریباً چالیس سالہ ادبی سفر کا مختصر انتخاب پیش ہے، اس طویل ادبی سفر میں سبزہ زاروں کی بھی سیر کی، پھولوں کی دلآویز نکہتوں نے بھی مشامِ دل وجاں کو معطر کیا؛ راہ کے کانٹے بھی والہانہ استقبال کے لیے آئے؛ صحرا کے پُر ہول سناٹے بھی دیکھے؛ گاؤں کی پگڈنڈیاں، شہر کے صاف شفاف راستے، قصباتی زندگی کے مناظر تجربات کی نگاہ سے گذرے۔

اِن سب کے مجموعی اثر سے ادب کی راہ کا مسافر کس قدر متأثر ہوا، اور اشعار کی زلفوں کو کتنا سنوار کر خوبصورت انداز میں پیش کیا، اس کا فیصلہ قارئین کے حوالے ہے۔'' (شناسا ص ۴)

ڈائرکٹر ٹی، وی اردو سیکشن؛ آل انڈیا ریڈیو دہلی، نشاطؔ مرحوم کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نشاطؔ صاحب نے جس سلیقے سے مشاہدات، محسوسات، جذبات، حالات اور خیالات کا فنکارانہ اظہار کیا ہے وہ ''کلاسیکی'' ادبی روایت، ذاتی شرافت، نسبی نجابت اور اس دردمند دل کے بغیر ممکن نہیں، جس سے شعر میں تأثر پیدا ہوتا ہے، تأثر اور اثر پذیری ہی ایک ماورائے لفظ کیفیت ہے، جس کے ذریعہ کلام موزوں اور شاعری میں فرق پیدا ہوتا ہے۔ (شناسا ص ۶)

کم ہی ملتے ہیں بھلے شعر کے نباض نشاطؔ
یوں تو کہنے کو بہت لوگ سخنور ٹھہرے

اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے، ڈائرکٹر ٹی، وی جناب دلیل الرحمٰن انجم عثمانی کہتے ہیں کہ:

''سخنوری میں نباضی کے لیے اس صدری نسخے کی ضرورت ہوتی ہے، جو کتابوں میں نہیں دلوں میں ودیعت کیا جاتا ہے؛ چنانچہ تخلیق کار مخلوق ہونے کے باوجود بحدِ توفیقِ خدا قوتِ خلق بھی رکھتا ہے، اس لحاظ سے تخلیق کار محبت، مقبولیت اور پسندیدگی کے ہی نہیں؛ احترام کے بھی لائق ہے، خاص طور پر وہ تخلیق کار جو خالقِ حقیقی کی بخشی ہوئی تخلیقی توفیق کو صالح اقدار اور صحت مند لطافتِ طبع کے لیے استعمال کرتا ہے، اس اعتبار سے انسانیت کی ارتقا میں اپنا مثبت کردار ادا کرتا ہے، ایسے ہی صاحب کردار شاعروں میں نشاط صاحب نے اپنا مقام بنایا ہے، انھوں نے شاعری کو صرف لذتِ ذہنی کا ذریعہ نہیں بنایا ہے بلکہ فن کی راہ سے اذہان کو فکر کی بلندیوں اور حسِ لطیف کی گیرائیوں سے ہم کنار کرنے کا کام لیا ہے، کہتے ہیں:

غم بھی تری عطا ہے خوشی بھی تری عطا
کافی ہے بارگاہِ محبت سے انتساب

حضرت نشاطؔ مرحوم مشاہدات واحساسات کی سطح پر ماضی کی صالح روایات کے امین بھی ہیں، حال سے باخبر بھی اور مستقبل پر مفکرانہ نظر بھی رکھتے ہیں، عصری زندگی کی برہنہ حقیقتیں ان کے سامنے ہیں، مگر ناسازگار ماحول میں بھی (اقبال کی طرح) امید کے چراغ کی لو کو مدھم نہ ہونے دیتے ہیں۔

حیات کی تلخیوں نے آخر نشاطؔ طرزِ حیات بدلا
وہ آج ہے باوقار انسان کبھی تھا نازک مزاج پہلے

محبتوں کے دیے جلا کر دلوں کی دہلیز پر سجا دو
کہ نفرتوں کی فضا سے یہ بھی ہے صورتِ انتقام ساقی

اپنے کمالِ ضبط کا دعویٰ نہیں مگر
اکثر حوادثات پہ میں مسکرا دیا

نشاطؔ صاحب کا دل ایک سچے شاعر اور اچھے انسان کی طرح انسانیت کے لیے دھڑکتا ہے، ان کے ذہنی پس منظر میں اسلامی روایات کی روشنی ہے، ان کے جذبات واحساسات دردمندی سے مملو ہیں، اسی دردمندی سے انھوں نے الفاظ کے موتی اور مفاہیم کی سوغات سے شاعری کا دامن بھر دیا ہے:

ذرا شیشہ گرو ہشیار رہنا
کہ ایک خوابیدہ پتھر جاگتا ہے

(شناسا ص ۷-۸)

نشاطؔ مرحوم نے مختلف اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے، حمد، نعت، قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، نظم، مرثیہ، شہر آشوب، حالاتِ حاضرہ، رخصت نامہ، ادبِ اطفال وغیرہ اصناف پر ان کی شعری تخلیق ملتی ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے غزل سے دلچسپی لی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلیہ شاعری کا اثر دوسرے اصناف پر بھی نظر آتا ہے، اپنے

کلام کے لیے اُن کو جہاں مشاعرے میں جانے کا اتفاق ہوتا تھا وہیں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی انھوں نے دادِ آفریں حاصل کی ہے، شاعری کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں:

(۱) شناسا (۲) نعتِ حضورؐ (۳) کلیاں

ملک وبیرونِ ملک کے پچاسوں اخبار، رسائل، مجلّات، روزنامے، ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہنامے، سہ ماہی دستاویزی اور ادبی پرچوں میں آپ کے کلام شائع ہوتے رہے ہیں۔ شاعری سے ہٹ کر دیگر موضوعات پر تصانیف کی تعداد تین دہائیوں سے متجاوز ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ دونوں گلشنوں میں آپ نے شعروسخن کے موتی پروئے، خوشی ومسرت کے گیت گائے، غم والم کا مرثیہ پڑھا، سیکڑوں اشعار غیر مطبوعہ ہیں، اللہ کرے ان کی طباعت واشاعت کا سامان ہوجائے، تاکہ زبان وادب کے عاشق کے نقوشِ قلم کو دوام، خلود اور جاویدیت نصیب ہو!

خلاصہ یہ کہ نشاطؔ مرحوم کی شاعری خصوصاً ''غزلیہ شاعری'' اپنے اندر بے انتہا وسعت رکھتی ہے، زبان وبیان کے اصول وضوابط کی پابندی کو دیکھتے ہوئے ان کی شاعری بجا طور پر، پختگی کے ساتھ کلاسیکی شاعری میں اونچا مقام رکھتی ہے۔ زبان وادب کی بے راہ روی اور ذوق کے ناقص وفاسد ہونے کا حضرت نشاطؔ مرحوم کو بڑا افسوس تھا۔ ایک غزل کا مقطع ہے:

غزل گوئی نشاطِ جاں ہے لیکن
ادب کا احترامِ فن کہاں ہے؟

❁ ❁ ❁

عیسائی مشنری اسکولس کا اصل مقصد

از: مولانا مفتی ابرار متین بیگ قاسمی

یہ بات کسی سے پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہیں ہے کہ دنیا کے اندر بہت ساری قوموں نے اپنی اپنی سیاسی اور جنگی طاقت سے بہت سارے ملکوں وخطوں پر حکومت کیں بعض قوموں کی جنگ کا مقصد سامراجیت اور بالادستی تھی تاکہ وہ قوم دوسری کمزور قوموں کو ہلاک وبرباد کریں اور وہاں کے ذخائر دفینوں سے خوب سے خوب جبر استیصال کریں جیسا کہ تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ صلیبی جنگوں میں اکثر ایسا ہوتا رہا کہ صلیبیوں نے جہاں کہیں کسی ملک وقوم پر حکومت کرنا چاہا تو وہاں کے ملک وقوم کا قتل وغارت گری، توڑ پھوڑ، حاکمانہ وظالمانہ رویہ بلکہ ''جلادانہ'' رویہ عیسائیت کی پرچار اور عیسائی مذہب وتہذیب کے لزوم سے نقشہ ہی بدل دیا جیسا کہ تاریخ کے بہت سارے سیاہ ابواب اس سے بھرے پڑے ہیں۔

عیسائی مشنری اسکولس مسلم بچوں کیلئے ایک زہر

''تعلیم گاہ'' جسے ہم اور آپ اپنی اپنی عام بول چال میں اسکولس وغیرہ کہتے ہیں درحقیقت یہ صرف علم حاصل کرنے کی ہی جگہ نہیں بلکہ یہ علم حاصل کرنے کی جگہ کے علاوہ انسانیت، تہذیب واخلاق، روحانی تربیت کی جگہ ہے، جہاں مختلف قسم کے اسکولس میں مختلف قسم کے مینجمنٹس اپنے اپنے انداز میں تعلیم دیتے ہیں اور جو اسٹوڈنٹس (Students) ان کے پاس تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کو اپنے طریقہ کار، اپنے مزاج ومذاق کا خوگر اور متبع بناتے ہیں، خواہ وہاں پڑھنے والے کسی بھی علاقے یا کسی بھی مسلک ومذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ جب وہ بچے ان کے خوگر اور ان کے تابع ہوتے ہیں تو یہ بچے خاص مزاج ومذاق میں ڈھل کر ہر جگہ اپنے اپنے خاص قسم کے افکارات وخیالات کا اظہار کرتے ہیں کبھی ان افکارات وخیالات سے آزاد ذہنی ابھر کر عقل پرستی کا شکار

ہوتی ہے تو کبھی ملحدانہ مزاج پیدا ہوکر اس طالب علم کو کمیونزم کا قائل وحامل بنادیتی ہے۔اور کبھی ان افکارات وخیالات سے کسی خاص قسم کے مذہب ومسلک کی بو آنے لگتی ہے جیسا کہ ہندوازم، بدھ ازم اور بھی مختلف قسم کے ازمس سے مشرکانہ وکافرانہ بو آنے لگتی ہے جس سے ایک طالب علم صرف طالب علم نہیں رہتا بلکہ مشرکانہ، کافرانہ وملحدانہ مزاج ومذاق کا طالب علم بن جاتا ہے جس سے ایک مسلمان طالب علم خالص مسلمان باقی نہیں رہتا بلکہ مذکورہ بالا صفات کا حامل بن کر ایک ''ماڈرن مسلمان طالب علم'' بن جاتا ہے جب یہ طالب علم ماڈرن خیالات کا حامی ہوجاتا ہے تو زندگی کے ہر شعبہ میں ماڈرنزم یعنی جدیدیت کو پسند کرنے لگتا ہے۔درحقیقت یہ ''ماڈرنزم'' اور ''جدیدیت'' کوئی انوکھی اور نوپید چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ ماڈرنزم اور جدیدیت مغربی تہذیب وثقافت، عیسائی مزاج ومذاق کا ایسا معجون مرکب ہے جس پر ماڈرنزم اور جدیدیت کا لیبل لگادیا گیا ہے اس کے بعد اب ہر پڑھا لکھا اور عام آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہ عیسائی تہذیب وتمدن اور عیسائی مزاج ومذاق نہیں ہے بلکہ یہ نئے زمانے میں نئے لوگوں میں، نئے اسباب معیشت میں جینے کا ایک ناگزیر طریقہ ہے کہ اس کے بغیر زندگی گزارنے کا اور زندگی میں ترقی کے منازل طے کرنے کا کوئی اور طریقہ ہے ہی نہیں۔گویا اس خاص قسم کے افکار ومزاج کا مطلب ہی یہ ہے کہ زندگی گزارنے کے لئے کسب معاش کے لئے، سیاست مدن کے لئے جو طریقے اسلام نے بتائے ہیں وہ بہت پرانے ہوئے ہیں اور ان طریقوں میں جو جان باقی رہنی چاہئے تھی اب وہ باقی نہیں رہی۔(نعوذ باللہ من ذلک) یہ سب اثرات عیسائی مشنریز کے مختلف ہتھکنڈوں کا ایک خاص ہتھکنڈہ اور ایک خاص اثر ہے۔عیسائی مشنری اسکولس ہیں مختلف قسم کے بچوں کو بڑی ہی شان کے ساتھ کڑے قوانین واصول کو سامنے رکھ کر اپنی تہذیب اور اپنے مزاج ومذاق کا ہم مشرب وہم خیال بنایا جاتا ہے جس سے مختلف قسم کے بچے ماڈرنزم اور جدیدیت کا شکار ہوکر اپنے اپنے مذہب کو عجیب وغریب، خفت انگیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ہزاروں قسم کے لادینیت اور دہریت والے سوال من ہی من میں پیدا کرتے ہیں اور شک وشبہ کے بدترین جال میں گرفتار ہوکر دنیوی زندگی بھی برباد کرتے ہیں اور زندگی کا حقیقی مقصد آخرت بھی برباد کرتے ہیں گویا کہ یہ عیسائی مشنری اسکولس مسلم بچوں کے لئے ایک میٹھا بلکہ سلو پائزن Slow Poisen ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسباب وعلل یہاں ذکر کردیئے جائیں جس کی وجہ سے عیسائی مشنری اسکولس مسلم بچوں کے لئے بلکہ سماج ومعاشرے کیلئے کس طرح سے انسانیت سوز

بے حیاء و بے غیرت ماحول کو پیدا کرتے ہیں اور حقیقی سکون وچین کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔

شرائط داخلہ کا مکارانہ وظالمانہ طریقۂ کار

دنیا کے اندر جہاں جہاں عیسائی مشنری اسکولس ہیں وہ دوطرح کے علاقوں میں ہیں ایک وہ علاقہ جہاں لوگ غربت وافلاس کا شکار ہیں اور دوسرا وہ علاقہ ہے جہاں لوگ تعیش وعیش کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مذکورہ ہر دوجگہ عیسائی مشنری اسکولس قائم ہیں لیکن دونوں میں ایک عظیم فرق ہے۔ متمول علاقوں کے اسکولس ایسے ہیں جہاں مختلف عنوانوں مثلاً داخلہ فیس Admission Fees، ڈونیشن Donation، بلڈنگ فنڈ Building Fund, Infastructure Development Fund، سالانہ فیس Yearly Fees وغیرہ وغیرہ سے خوب روپیہ لوٹا کھسوٹا جاتا ہے، مشاہدہ کی بات ہے کہ بڑے بڑے شہروں وعلاقوں کے جو عیسائی مشنری اسکولس ہیں صرف نرسری Nursiry اور ایل کے جی L.K.G اور یو کے جی U.K.G کی تعلیم کیلئے لاکھ ڈیڑھ لاکھ اور دو دو لاکھ روپئے تک وصول کرتے ہیں۔ پھر ان جمع کردہ روپیوں کو چیاریٹی Charetey کے نام سے غریب علاقوں کے مشنری اسکولس میں لگا کر عیسائیت کے تئیں نرمی پیدا کرتے ہیں اور مفت تعلیم Free Educaiton کے ذریعے عیسائیت کو طوعاً وکرہاً ان کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا طریقہ تو عیسائی مشنری اسکولس کے متمول اور غیر متمول علاقوں کے داخلوں کا تھا علاوہ ازیں شہر کے عیسائی مشنری اسکولس کا جو ٹارگیٹ Target ہوتا ہے وہ تو صرف اور صرف بڑے بڑے مالدار لوگوں کے بچے ہی ہوتے ہیں ورنہ تو یہاں غریب تو غریب ہی ہے، غریب کے علاوہ جو متوسط طبقہ Middle Class ہے وہ بھی یہاں اپنے بچوں کو پڑھانے کیلئے دس مرتبہ صرف سوچ اور خواب ہی دیکھ سکتا ہے ان کی بھی اس جگہ پر تمام تر ہمتیں، طاقتیں ٹوٹ کر رہ جاتی ہیں اس کے علاوہ داخلہ کی شرائط یہ ہوتی ہیں کہ بچے کے والدین اعلیٰ تعلیم یعنی Well Educated ہوں اور ماہانہ آمدنی اتنی زیادہ ہو کہ ہر ماہ روپیہ خوب سے خوب بچ سکے اور Save ہو سکے اور ان کے پاس Two Wheeler یا Four Wheeler گاڑی ہو۔

اس جگہ رک کر کیا اس بات پر غور نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے ملک کے یا دنیا کے بڑے بڑے سائنسداں، ریاضی داں، جغرافیہ داں، علم داں، قانون داں اور سیاست داں صرف مالدار ہی قسم کے طبقہ سے وابستہ تھے یا اس کے علاوہ غریب لوگ بھی تھے؟ تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے

آتی ہے کہ دنیا کے اور ہمارے ملک کے سائنسداں ہوں یا ریاضی داں یا سیاست داں، اکثر و بیشتر غریب طبقہ سے متعلق تھے اور دیہات اور گاؤں کے رہنے والے تھے جن کے پاس کھانے کے لئے دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں تھی اور پڑھنے کے لئے کتابیں اور قلم بھی نصیب نہیں تھا لیکن آج کی مشنری اسکولس کا یہ ایک عجیب وغریب حال ہے کہ شہروں میں عمدہ تعلیم اور اعلیٰ تعلیم تو صرف مالدار ہی حاصل کر سکتے ہیں، غریبوں کا تو اس میں کوئی حق ہی نہیں۔

مشنری اسکول کا پریئر Prayer

ہر اسکول کی ایک حمد ہوتی ہے ''پریئر'' ہوتا ہے۔ یہ رہا الگ مسئلہ بعض سرکاری وغیر سرکاری اسکولوں میں ''وندے ماترم'' جیسے مشرکانہ عقیدہ والا جو ترانہ ہے وہ تو پڑھنا ناجائز وحرام ہے لیکن خفیہ انداز میں جو پریئر Prayer مشنری اسکولس میں پڑھایا جاتا ہے وہ بھی ''وندے ماترم'' سے کچھ کم نہیں، جیسا کہ پریئر کے وقت بچوں کو صف بندوا کر ان کے ''خیالی'' جیسس یعنی حضرت عیسیٰ کے مجسمہ کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ہندوؤں کو مندر کے اندر بڑے اور چھوٹوں کو کسی بت کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے اور پھر بچوں سے کچھ سادہ جملوں کے ساتھ کفریہ وشرکیہ جملہ ہر دن بلوایا جاتا ہے اور کبھی کبھی وقفے وقفے سے مسلمان بچوں کو مختلف چیزوں کی ضرورت کے وقت بچوں کے اصرار کرنے پر یا ان کے رونے پر یا وہ چیزیں ان کے پاس نہ رہنے پر کہا جاتا ہے کہ تم اپنے اللہ سے مانگو اور اسے حاصل کر لو جب یہ بچہ اللہ سے مانگتا ہے تو نہ اسے چاکلیٹ ملتا ہے اور نہ کوئی اسکول سے متعلق ضرورت کی چیز، پنسل، کاپی وغیرہ ملتی ہے پھر بچے سے کہا جاتا ہے کہ اب تم آنکھ بند کر کے ''جیسس''، یعنی حضرت عیسیٰ سے مانگو جب بچہ مانگتا ہے تو وہ چیز اس کی آنکھ بند ہونے کی حالت میں یا تو اس کے ہاتھ میں ڈال دی جاتی ہے یا اس کے پاس ڈال دی جاتی ہے جس سے بچہ قولی وعملی اعتبار سے متاثر ہو کر اس کا ایمان بھی خراب ہو جاتا ہے اور اس کا عقیدہ بھی خراب ہو جاتا ہے۔

مشنری اسکولس کا ڈریس اور وضع قطع

رہی بات ڈریس کی تو یہاں اس سلسلہ میں ان کی گنگا الٹی ہی بہتی ہے، مطلب یہ ہے کہ لڑکا لڑکا ہونے کی وجہ سے اور لڑکی لڑکی ہونے کی وجہ سے فطری وخلقی اعتبار سے دونوں جسموں کی

تقسیم، بناوٹ، نشیب وفراز واضح اعتبار سے مختلف ہے تب ہی تو مرد کے مقابلہ میں عورت کو صرف ''صنف عورت'' نہیں کہتے بلکہ ''صنف نازک'' کہتے ہیں یعنی صنف مقابل کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ مرد کی ضد ہے اور صنف نازک کہتے ہیں ایسی چیز کو جس کی فطرت وطبیعت کے اعتبار سے نرمی، نزاکت شرم وحیا مرد کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہو الغرض عورت ایک عورت اور لڑکی ایک لڑکی ہونے کی وجہ سے ایسے ڈریس اور ایسے جوڑے اختیار کرے کہ جس ڈریس Dress میں زیادہ شرم وحیا کا لحاظ کیا جاسکے اور مرد کو شرم وحیا کم ہونے کی وجہ سے اپنے مطابق ڈریس اختیار کرے۔ جس ڈریس میں زیادہ بے حیائی ہوتی ہے اور مرد اور لڑکے کے لئے ایسا ڈریس ہوتا ہے جس سے اس کا سارا بدن ڈھک کر دور سے تو عورت ہی معلوم ہوتا ہے الغرض مرد کو عورت بنادیا جاتا ہے اور عورت کو مرد بنادیا جاتا ہے۔ مشنری اسکولس اور کالجس میں لڑکیوں کے لئے اور عورتوں کے لئے ایسا ڈریس لازمی قرار دیا جاتا ہے جس سے بے شرمی و بے حیائی میں اضافہ ہو اور فطرت وطبیعت میں فاسد مادہ اور فاسد خیال کا رجحان بڑھے اور پھر انجام کار وہ بدنظری، بے غیرتی، دوستی کے نام پر ڈیٹنگ Dating اور پکنک Picnic کے نام آزادی، تعیش پرستی اور یہاں تک جنسی اختلاط لازم آتا ہے اور پھر جب پڑھائی ختم ہوجاتی ہے تو لڑکا ایک طرف اور وہ لڑکی ایک دوسری طرف ہوجاتی ہے یعنی حقیقی سکون کو زندگی شروع کرنے سے پہلے ہی یہ لڑکا اور لڑکی اور خاص طور پر لڑکی کی زندگی اجڑ جاتی ہے اور ان کی زندگی داؤ پر لگ جاتی ہے غرضیکہ بچپن ہی سے بے حیائی والے ڈریس کا نتیجہ اتنے اندوہ ناک نتائج تک پہنچاتا ہے کہ کسی کو اس کا اندازہ ہوتا ہی نہیں ''لڑکی چھوٹی ہے، لڑکی کم سن ہے، لڑکی نادان ہے وغیرہ دل کو تسلی دے لیا جاتا ہے۔ ایک ہلکی سی نظر ڈالی جائے تو حقیقت آشکارا ہوجائے۔ دل کو بہلانے والے جملوں سے خود کو بھی تسلی دے لیتے ہیں اور دوسروں کے سوال پر انہیں جملوں کو جواب میں کہہ دیا جاتا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اسکول ڈریس پر ایک ہلکی سی نظر ڈالی جائے تاکہ اس کی حقیقت آشکارہ ہوجائے: (۱) خواہ بچی یا لڑکی LKG کی ہو یا دسویں جماعت Tenth Standard کی سب کو اپنے سر کے تمام بال کھلے رکھ کر آنا ضرور ہے۔ (۲) اسکارف پہننے کی اجازت نہیں ہوگی۔ (۳) اسکرٹ پہن کر آنا ضروری ہوگا، چھوٹی بچیوں ولڑکیوں کو اتنا بڑا اسکرٹ Skirt جو گھٹنوں سے اوپر نہ ہو اور بڑوں کو اتنا چھوٹا اسکرٹ کہ جو گھٹنوں سے نیچے نہ ہو یعنی لڑکی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی کم از کم ان کے ران، گھٹنے، پنڈلیاں تو ضرور نظر آئیں تاکہ بے حیا، بے شرم، مزاج ومذاق کے پیدا کرنے میں آسانی ہوسکے

اور یہ ڈریس بھی ایسا ہونا چاہئے کہ بالغ لڑکیوں کے سینہ پیٹ پیٹھ اور کولہے لباس کے چست اور تنگ ہونے کی وجہ سے صاف صاف نظر آئے۔ یہ سرتاپا بے حیائی و بے شرمی کو صرف پیدا کرنے والا ہی ڈریس نہیں بلکہ بے حیائی، بے شرمی اور بے غیرتی کو دعوت دینے والا ڈریس بھی ہے اور یہ بے شرمی و بے حیائی کا معاملہ صرف اسلام ہی کے پاس برا اور قبیح نہیں ہے بلکہ یہ خلاف عقل بھی ہے اور فطرت انسانی کے خلاف بغاوت بھی ہے جس کا سمجھنا صرف مسلمانوں پر ضروری نہیں بلکہ ساری دنیا کے عقلمندوں کو اور فطرت کے جاننے و ماننے والوں کو بھی سمجھنا، سمجھانا اور اس پر کچھ عملی اقدام اور ایکشن Action لینا بھی لازمی ہے۔

مخلوط تعلیم یعنی Co-Education

اہل دانش وبینش کے نزدیک اختلاف کے قابل ہے ہی نہیں کہ مخلوط تعلیم ہونی چاہئے یا نہیں۔ اس لئے کہ مخلوط تعلیم کا اصل مسئلہ تو ہمارے زمانے کے اعتبار سے Tv-Film Dance Programme والے جنریشن Generation کے لئے کس جماعت Class سے قابل تأمل اور قابل اعتراض ہے؟ اس سلسلہ میں توطے کرنا بہت آسان ہے کہ کس جماعت Class سے مخلوط تعلیم بند کردینا چاہئے اس لئے کہ آج کے زمانے کا سب سے بڑا اسکولی فتنہ مخلوط تعلیم یعنی Co-Education کا ہے یہیں سے تعلیم کے ساتھ ساتھ فتنہ کا دروازہ کھل جاتا ہے جسے نہ تو کوئی گھر والا ٹوک سکتا ہے اور نہ کوئی اسکول والا اسے منع کرسکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ آگ تو خود اسکول مینجمنٹ والوں نے اور خودسر پرستوں نے لگائی ہے مگر اس آگ میں جلنے والے معصوم صاف ذہن مراہق ونوبالغ لڑکے اور لڑکیاں ہوتی ہیں وہ ان کے پرسکون مستقبل کو برباد کردیتے ہیں۔

نصاب تعلیم یعنی Syllabus

جب نصاب تعلیم کی بات آتی ہے تو نصاب تعلیم میں دو طرح کے فرق معلوم ہوتے ہیں ایک فرق تو وہ ہے جو Positive مثبت انداز کا ہے۔ دوسرا منفی Nagetive انداز کا ہے، منفی انداز کا جو نصاب تعلیم ہے وہ تو کسی متعصب مزاج منصف یا متعصب مزاج تعلیم کے ذمہ داروں کا ہے جیسا کہ مغلیہ سلطنت کے نیک عادل فرمانروا شہنشاہ اورنگ زیب کی کردارکشی کا ہے جنہیں ایک سنگ دل، متعصب، نافرمان اور ظالم وجابر کے رول میں بتلایا گیا ہے۔ یقیناً یہ بھی انتہائی کم بختی

اور کم نصیبی ہے کہ جس نے ہندوستان کی سیاسی معاشی ترقی میں اتنا اہم رول ادا کیا کہ شاید کبھی ہندوستان کو ایسے فرمانروا ملے ہوں۔ ایسے شخص ہی کو تاریخ کا خون کرنے والوں نے صرف تاریخ کا ہی نہیں بلکہ ہندوستان اور ہندوستان کے بسنے والے پڑوسی کا تاریخی واخلاقی خون کیا ہے۔

اسی طرح کا بلکہ اس سے بدترین حال عیسائی مشنری اسکولس کا ہے۔ جہاں طلبہ کو ایسے اسباق پڑھائے جاتے ہیں جس میں واضح انداز سے کفروشرک کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مناسب ہے کہ انگریزی درس نصاب کی تیسری جماعت III Class کے ایک سبق کا یہاں ذکر کردیا جائے تاکہ یہ بات دلیل وحجت کے طور پر معلوم ہوجائے۔

تیسری جماعت کی ایک کتاب میں لکڑہارا یعنی لکڑیاں پھوڑنے والے کا ایک واقعہ ہے جس میں اس کی کلہاڑی سمندر یا ندی میں گرجاتی ہے جس سے لکڑہارا پریشان ہوجاتا ہے اور سورج کا خدا جسے ''اپالو'' کہتے ہیں اسے پکارتا ہے اس کے کچھ ہی دیر بعد سورج کا خدا اپالو ظاہر ہوتا ہے اور نہر میں غوطہ لگا کر کلہاڑی لکڑہارے کے حوالہ کرتا ہے، دیکھئے اس سبق میں کھلے عام طلبہ کو شرک کی تعلیم دی جارہی ہے علاوہ ازیں کتنے ہی ایسے مشنری اسکولس ہیں جہاں تقریباً ہر کلاس میں بائبل کو داخل نصاب کیا گیا ہے۔ اگر کوئی طالب علم Student دوسری کتابوں میں کم نمبر لے آئے اور بائبل میں زیادہ نمبر لے آوے تو اسے ترقی دیجاتی ہے مگر اس کے برعکس دوسری کتابوں وسبجکٹس میں زیادہ نمبر لے آوے اور بائبل کے اسباق میں کم نمبر لے آوے تو اسے ترقی سے روک دیا جاتا ہے۔ یہ ایک دو مثالیں تھیں ورنہ تو مختلف عیسائی مشنری اسکولس میں مختلف قسم کے نصاب میں خاص نوعیت سے شرک کی دعوت دی جاتی ہے اور اس کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔

یہ وہ چند قابل ذکر باتیں تھیں جو یہاں ذکر کردی گئی ہیں، علاوہ ازیں بہت سارے ایسے حساس مسائل ہیں جو تفصیل طلب ہیں۔

❁ ❁ ❁

جنت کا راہی

شہید اسلام حضرت مولانا مفتی سعید احمد جلالپوری شہیدؒ.... سیرت و کردار

از: (مولانا) زبیر احمد صدیقی
خادم جامعہ فاروقیہ شجاع آباد (ملتان)

میرے والد محترم حضرت مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی سے فارغ التحصیل اور حضرت اقدس مولانا السید محمد یوسف البنوری نوّراللہ مرقدہٗ کے ابتدائی شاگرد اور بے حد عقیدت مند تھے، بچپن سے ہی ہر ماہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے ترجمان ماہنامہ ''بینات'' حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے پاس دیکھنے کو ملتا۔ انہیں ہر ماہ ''بینات'' کا شدت سے انتظار رہتا۔ جونہی ''بینات'' موصول ہوتا حضرت والد صاحبؒ اس کا مطالعہ شروع فرما دیتے۔ اگر کہیں دیہات، گاؤں کا تبلیغی سفر ہوتا تو ''بینات'' تھیلے میں ڈال لیتے، یوں جب تک مضامین مکمل نہ ہوتے بینات ان کے ساتھ رہتا۔ بچپن سے ہی ''بینات'' سے ہی اُنس کی یہی وجہ تھی۔ والد صاحبؒ کی اتباع میں زمانۂ طالب علمی میں اور فراغت کے بعد ''بینات'' کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ بینات کے مطالعہ میں کبھی کبھی ''مولانا سعید احمد جلالپوری'' نامی ایک ہستی کا مضمون بھی نظر سے گزرتا، بس یہی مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ سے پہلی شناسائی تھی۔

حضرت والد محترمؒ کا پہلا بیعت و اصلاح کا تعلق قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ سے، بعدہٗ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ سے اور ان کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے قائم ہوا، اور اس کے ساتھ حضرت مولانا محمد ادریس انصاری رحمہ اللہ سے بھی کسبِ فیض فرماتے رہے۔ حضرت والد صاحبؒ حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی خدمت میں تشریف لے جاتے۔ واپس آ کر حالاتِ سفر میں

حضرت شہیدؒ کے رفیقِ خاص حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہیدؒ کا بھی مدحیہ انداز میں تذکرہ فرماتے۔ یہ مولانا جلال پوری شہید رحمہ اللہ سے دوسری شناسائی تھی۔ ان دنوں ناکارہ کے دونوں گردے فیل ہوگئے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا جلال پوری شہید رحمہ اللہ احقر کے بارے میں سخت فکرمند رہتے۔ دونوں حضرات نے تادمِ زیست میری صحت اور تندرستی کیلئے ڈھیروں دعائیں فرمائیں اور مختلف انسانی تدابیر اختیار کیں۔

حضرت والد محترم رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اُن سے رابطہ قوی سے قوی تر ہوتا چلا گیا۔ ان کی شفقتیں اور عنایتیں موسلا دھار بارش کی طرح برسنے لگیں۔ کراچی حاضری کے موقع پر احقر نے انہیں جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کی سرپرستی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت قبول کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے ازراہِ شفقت فوراً میری اس درخواست کو قبول فرمالیا۔ چنانچہ ۲۰۰۰ء سے لے کر ۲۰۱۰ء میں اپنی شہادت تک انہوں نے پوری ذمہ داری سے اس فرض منصبی کو نبھایا اور ہماری سرپرستی فرمائی اور ان دس سالوں میں بلاناغہ ہر سال کراچی سے طویل وعریض سفر فرما کر مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شریک ہوتے رہے۔ ان دس سالوں میں حضرت شہیدؒ سے بیسیوں ملاقاتیں ہوئیں، ان کے ہمراہ دسیوں اسفار ہوئے، متعدد شب وروز ان کے ساتھ گزرے، گویا احقر نے انہیں نہایت ہی قریب سے دیکھا پرکھا اور جانچا، یقیناً ان کی خلوت جلوت سے اور جلوت خلوت سے منفرد نہ تھی۔ وہ زبان کے سچے، عمل کے پکے، کردار کے دھنی، زبان وقلم کے بادشاہ، علمی وثوق، تواضع وانکساری، خدمتِ خلق، انابت الی اللہ اور اصابت رائے رکھنے والے ہمہ جہت انسان تھے۔ وہ بہترین مدرس، فکر انگیز خطیب وواعظ، بلا کا زورِ قلم رکھنے والے ادیب وصحافی، لوگوں کے دلوں کی دنیا بدل دینے والے شیخ ومُرشد، کفر والحاد وزندقہ اور فتنوں سے لڑنے والے بے تیغ سپاہی اور مجاہد، اپنے اکابر، اساتذہ اور مشائخ کے خادم اعلیٰ، عوام الناس بالخصوص دینی طبقہ کے دکھ درد پر تڑپ جانے والے سماجی کارکن، صلہ رحمی کے پیکر، ملک وملت کے عظیم ہمدرد، مدبر سکالر، قرآن وسنت کے حامل، فقہ کے ماہر، عبادت گزار، شب بیدار، ذاکر وشاغل، صابر وشاکر، عاشقِ رسول، دیوانۂ اصحابؓ واہلِ بیتؓ رسول ﷺ اور ولایت کے منصب پر فائز نابغۂ روزگار ہستی تھے۔ گیارہ سالہ طویل رفاقت میں احقر نے جو کچھ ان کی ذات میں دیکھا اور پایا بلامبالغہ اسے زیبِ قرطاس کیا جاتا ہے۔

حسنِ اخلاق

حسنِ اخلاق دین کا عظیم شعبہ ہے۔ آنحضرت ﷺ اخلاقِ عالیہ کے خوگر تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجسمۂ اخلاق بنایا تھا، ارشادِ خداوندی ہے:

انك لعلٰی خلقٍ عظیم۔ (القلم:)

''اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہو''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

خیارکم احسنکم اخلاقًا..... (الحدیث)

''تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔''

اور ایک موقع پر فرمایا:

بعثت لاتمّم مکارم الاخلاق..... (الحدیث)

''میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں''۔

حضرت جلالپوری شہید رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے حسنِ اخلاق کی دولتِ بے بہا سے سرفراز فرمایا تھا۔ ان سے ملاقات کرنے والے اجنبی بھی جب ان سے ملتے تو محسوس کرتے کہ شاید مولانا ان سے پہلے متعارف ہیں۔ مصروفِ عمل لوگ عوامی ملاقاتوں، مصافحوں سے مجتنب رہتے ہیں، ایسے حضرات کو خلافِ خواہش اگر کبھی لوگوں کا سامنا ہوجائے تو عموماً ان کے چہروں پر خندہ پیشانی کی بجائے تلخی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، مصافحہ بھی بمشکل خلافِ سنت ایک ہاتھ بلکہ کبھی نصف ہاتھ اور انگلیوں سے کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ کسی کے مدعی کو سن کر اس کو پورا کرنا، مشورہ دینا تو ان کے نفیس مزاج کے ہی خلاف ہوتا ہے، اس لیے لوگ ان سے اور وہ عوام الناس سے دور رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا حلقۂ احباب مخصوص اور خواص کا ہوتا ہے، عوام کی ان تک رسائی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتی ہے۔

حضرت جلالپوری شہیدؒ مصروف تر ہونے کے باوجود عوام وخواص میں یکساں مقبول، ہر ایک سے میل جول رکھنے اور ہر ایک کے دکھ سکھ میں ساجھی رہنے کے عادی تھے۔ اوقاتِ ملاقات میں ان سے ملنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ ان کے دفتر میں نہ کوئی دربان ہوتا اور نہ ہی ان کا کوئی

سیکرٹری، جو بھی ان سے ملنے آتا بلا تردّد چلا آتا۔ حضرت سبھی سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ دونوں ہاتھوں سے گرم جوشی سے مصافحہ فرماتے، مخصوص انداز میں ''خیریت سے ہیں؟'' کا محبت بھرا جملہ تکلم فرماتے اور مدعا پوچھتے۔ اگر مسئلہ کا حل بس میں ہوتا تو فوراً حل فرمادیتے۔ مشورہ طلب امر میں نہایت ہی مدبرانہ اور مصیب مشورہ سے نوازتے، اگر کسی جاننے والے کے بس میں مسئلہ کا حل ہوتا تو اسے خط تحریر فرماتے یا فون فرمادیتے۔ ناصحانہ انداز میں اصلاح بھی فرماتے رہتے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کا بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ نے ہمیشہ اپنے خاندان، قبیلہ کی سرپرستی اور خدمت فرمائی۔ اپنے خاندان کے بچوں اور بچیوں کو زیورِ علم سے آراستہ فرمایا، اپنے دور ونزدیک، نسبی وصہری رشتہ داروں کی معاونت فرمائی، آپ کی برکت سے آپ کے خاندان کے ۲۱؍افراد حافظ، قاری، عالم، مفتی، حافظات وعالمات بنے۔ یہ تعداد آپ کے بیٹے و بیٹیاں، بھتیجے اور بھتیجوں اور قریبی عزیزوں اور عزیزات کی ہے۔ دور کے رشتہ دار اور سسرالی خاندان کے افراد کی تعلیم وتربیت وکفالت اس کے علاوہ ہے۔ آپ نے اپنے ان رشتہ داروں کی تعلیم سے لے کر شادی بیاہ اور فراہمیٔ روزگار تک ان کی سرپرستی فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں مہمان نوازی کا بھی خوب سلیقہ عطا فرمایا تھا، ہر آنے والے کی اس کی حیثیت اور رتبہ کے مطابق مہمان نوازی فرماتے۔ ان کا دسترخوان نہایت ہی وسیع تھا۔ اہلِ علم و فضل اور اہلِ تقویٰ کے لئے تو اہتمام سے اپنے گھر پُرتکلف کھانا تیار کرواتے اور اپنے مختصر سے گھر میں نہایت ہی شاندار دسترخوان سجا کر انواع واقسام کے کھانوں سے ضیافت فرما کر خوشی اور گرم جوشی کا اظہار فرماتے۔ ان کی شفقتیں اپنوں، پرایوں سبھی کے ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ ہر ایک انہیں اپنا سمجھتا اور ہر ایک کی ان کے بارے میں یہی رائے ہوتی کہ حضرت سب سے زیادہ مجھ سے شفقت فرماتے ہیں۔

علمی تعمق

حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ عالمِ ربانی تو تھے ہی اور ان کا نام ملک کے مقتدر علماء میں شمار کیا جاتا ہے، وہ سطحی یا رسمی عالم نہ تھے، بلکہ ثقہ اور راسخ فی العلم تھے، ان کی علمی صلاحیتیں انکی تقریر وتحریر سے عیاں ہیں۔ وہ مطالعہ کے خوگر تھے، ان کے دفتر اور ذاتی کتب خانہ

میں ہزاروں کتابوں کا انبوہِ کثیر لگا رہتا۔ انہیں اکثر مطالعہ میں مصروف ومشغول دیکھا جاتا، ان کے مطالعہ کا دائرہ بھی محدود نہیں بلکہ غیر محدود تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اسلامی، تقابلِ ادیان، تصوف، منطق وفلسفہ، علم بیان، علم عروض وقوافی، علمِ ادب، بین الاقوامی حالات، بین الاقوامی تعلقات، سیاسیات، معاشیات، قومی جرائد ورسائل سمیت بہت سے موضوعات ان کے زیر مطالعہ رہتے اور انہیں ان سب موضوعات پر مہارتِ تامہ حاصل تھی۔

انٹرنیٹ پر چلنے والے ویب سائٹس مفید بھی ہیں اور غیر مفید بھی، بعض ویب سائٹس اسلام اور دین کے نام پر ضلالت وگمراہی پھیلا رہی ہیں اور لوگ ان کا شکار ہوکر ارتداد والحاد کی کھائیوں میں جا گرتے ہیں، حضرت شہیدؒ اس سلسلہ میں بے حد فکرمند رہتے، انہوں نے اپنے متعلقین کی ایک جماعت کو ایسی سائٹس کی نگرانی اور بروقت اطلاع دینے پر مامور کیا ہوا تھا۔ حضرت شہیدؒ ایسی سائٹس کے مواد کا مطالعہ کرکے ان کا بھرپور علمی تعاقب فرماتے۔ ان کے علمی ذوق کا اندازہ ان کے مضامین سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایک حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط اور احادیث کی عصر حاضر پر تطبیق، ان کے مضامین اور تصانیف کی خصوصیت تھی۔

وہ اپنے شیخ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی طرح فقاہت کی دولت سے مالا مال تھے۔ روزنامہ جنگ کے اسلامی صفحہ اقراء کے مقبول عام سلسلہ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کے ذریعے امت کو ان کے شیخ اور پھر ان کے علمی وفقہی کمالات ہنوز بھی پہنچ رہے ہیں۔ اپنی حیات مستعار کے آخر میں انہوں نے ''بینات'' کے ادارتی صفحہ پر مسئلہ ''غدیر خم'' میں امام غزالی رحمہ اللہ کی جانب منسوب ایک عبارت جس سے رفض کا مسلک ثابت ہوتا ہے اور یہ عبارت امام غزالیؒ کی طرف منسوب ایک رسالہ ''سر العالمین'' میں مذکور ہے، پر تفصیلی ووقیع علمی مقالہ ذکر فرمایا جو اہلِ علم واہلِ تحقیق کے لئے بلاشبہ خاصے کی چیز ہے۔ اس مقالہ سے متعلق حضرت شہید رحمہ اللہ نے راقم الحروف کو اپنی شہادت سے ایک ماہ قبل شجاع آباد تشریف آوری پر ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے ایک ڈاکٹر صاحب نے اپنے سوالہ نامہ میں یہ تحقیق بھیجی اور اس شیعی موقف کو امام غزالیؒ کی کتاب اور ان کی جانب منسوب کیا گیا تھا جس پر مجھے کافی کتب کنگھالنا پڑیں، بالآخر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے باب ''مکائد شیعہ'' میں مجھے یہ بات دریافت ہوئی کہ روافض اپنے نظریات کے شیوع کے لئے بعض کتب اپنی جانب سے تحریر کر

کے اہل السنّت کے اکابر کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں، اور اس کی مثالوں میں انہوں نے امام غزالیؒ کی طرف منسوب مذکورہ رسالہ کا بھی حوالہ دیا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے اس مقالہ میں ثابت فرمایا کہ غدیر خم میں خلافتِ علیؓ (بلافصل) سے متعلق امام غزالی رحمہ اللہ کی جانب منسوب تحقیق بالکل غلط اور امام غزالی کی طرف اس تحقیق کی نسبت امام غزالی رحمہ اللہ پر بہتانِ عظیم ہے۔ اس طرح کی ڈھیروں علمی جواہر وہ اپنی تقریر وتحریر میں بکھیرتے رہتے تھے۔

زہد وتقویٰ

اللہ تعالیٰ کو وہی علم قبول وپسند ہوتا ہے جو برائے عمل ہو، بلاشبہ علم بلاعمل وبال اور عمل بلاعلم ضلال اور علم وعمل کا اجتماع کمال ہوتا ہے۔ حضرت جلال پوری شہید رحمہ اللہ جبلِ علم ہونے کے ساتھ اعمالِ صالحہ اور اتباعِ سنت کے خوگر تھے۔ عبادات، معاملات، حقوق اللہ اور حقوق العباد میں وہ تقویٰ کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ اپنے شیخ حضرت لدھیانوی شہید نوّراللہ مرقدہٗ کی زیر تربیت رہ کر انہوں نے جو معمولات سیکھے تھے تادمِ زیست ان پر مضبوطی سے کاربند رہے۔

باجماعت نماز کا اہتمام، نوافل (اشراق، اوابین وغیرہ) کی پابندی، شب بیداری، تلاوتِ قرآن کریم، التزامِ ذکراللہ، ادعیہ مسنونہ، مناجاتِ مقبول کی سلسلہ وار منزلوں کی تلاوت، ذریعۃ الوصول سے ماثور درود شریف کا ورد ان کے سفر وحضر کی زندگی کا جزولاینفک تھا۔ احقر کو حضرت شہیدؒ کے ساتھ متعدد اسفار کی سعادت حاصل ہوئی، ان طویل وعریض اسفار میں رات کو سخت تھکان کے ساتھ نصف شب یا اس کے بعد بھی آرام کا موقع ملا، لیکن آخر شب میں شب بیداری اور نمازِ تہجد کا معمول، جماعتِ فجر، بعد فجر تلاوتِ قرآن کریم، اذکار واوراد کا معمول ان سے ترک ہوتے نہیں دیکھا۔ وہ اپنے اسفار میں اپنے مختصر سے سامان میں قرآن مجید، مناجاتِ مقبول اور مضمون نویسی کے لئے قلم وکاغذ ضرور ساتھ رکھتے۔ انہیں فارغ اوقات میں ایئرپورٹ کا لاؤنج ہو یا کسی کا مہمان خانہ، اوراد، واذکار یا علمی مضامین کی تالیف وتصنیف یا علمی مذاکرہ کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب مطہر کو ایسا صاف وشفاف آئینہ بنایا تھا کہ اس آئینہ شفاف پر حسد وبغض کا کوئی داغ ودھبہ نہ تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے حاسدین کے ساتھ درگزر اور دعاگوئی کا معاملہ

فرماتے۔غیبت وچغلی سے کوسوں دوراور مشکوک ومشتبہ معاملات سے ہمیشہ محترز رہتے۔اپنی مجلس میں بھی غیبت گوئی سے منع فرمادیتے۔

ان کے زہد کا یہ عالم تھا کہ زندگی بھر نہ کوئی جائیداد بنائی اور نہ ہی بینک بیلنس، دوسروں کی ضروریات کا مستقل بیڑا اُٹھانے والے یہ زاہد و پارسا بزرگ جب اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے تو بقول ان کے برادرِ اکبر حضرت مولانا رب نواز صاحب زید مجدہٗ وہ سات لاکھ روپے کی خطیر رقم کے مقروض تھے، اور جنازہ ایک مختصر سے کرایہ کے فلیٹ سے نکلا۔گویا کہ دنیا سے جاتے ہوئے بھی وہ اتباعِ سنت سے پیچھے نہ رہے۔بخاری شریف میں مذکور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دارِ فانی سے پردہ پوش ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے 60 صاع جَو ایک یہودی سے قرض لے کر اپنی زرہ اس کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔اتباعِ سنت علماء دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے۔حضرت شہید رحمہ اللہ کے ہر عمل سے اتباعِ سنت کا رنگ جھلکتا تھا۔

حضرت جلالپوری شہید قدّس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا بھی خوب مزا چکھایا تھا۔ حُبّ خداوندی اور حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔سال میں دو مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری ان کا معمول تھا۔یورپ کے اسفار میں بھی آتے یا جاتے وہ عمرہ کی سعادت ضرور حاصل فرمالیتے۔ایک مرتبہ احقر سے ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کا معمول مبارک تھا جب وہ نئی کتاب لکھتے تو کتاب کو ساتھ لے کر بیت اللہ شریف کا طواف فرماتے اور روضۂ اطہر پر حاضری دیتے۔اس طرح کتاب میں مقبولیت پیدا ہوتی۔غالباً حضرت نے بھی اس معمول کو جاری رکھا۔محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ''ختمِ نبوت'' کے ساتھ ان کی والہانہ وابستگی کا سبب تھی۔محبتِ رسول میں استغراق کی وجہ سے خلافِ سنت ہر عمل انہیں غضبناک کردیتا۔مقطوع اللحیہ یا محلوق اللحیہ حضرات کے چہرہ اور ٹھوڑی پر ہاتھ پھیر کر فرماتے ''میاں ڈاڑھی نہ منڈوایا کرو'' قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ یہ شفیقانہ جملے لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتے۔بیسیوں لوگ آپ کی اس ناصحانہ درخواست پر تائب ہوکر متبعِ سنت بن گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید لباس پسند تھا۔اس لئے حضرت شہید بھی سفید لباس پسند فرماتے، ایک دوست کی روایت کے مطابق ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک سوٹ ہدیہ پیش کیا، سوٹ سفید نہ تھا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہدیہ قبول ہے لیکن اسے خود نہیں پہن

سکوں گا اس لیے کہ یہ سوٹ سفید نہیں ہے۔

سلوک واحسان

تزکیۂ نفس، احسان وسلوک دین کا ایک شعبہ اور صاحبانِ خدا کا ہمیشہ سے پسندیدہ عمل رہا ہے۔ یہی تصوف وسلوک اخلاص اور احسان کے منازل طے کراتا ہے۔ احسان وسلوک کی لائن حضرت شہید رحمہ اللہ کو اپنے والد محترم حضرت جام شوق محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ملی۔ حضرت کے والد محترم حضرت مولانا محمد موسیٰ نقشبندی جلالپوری اور قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہما اللہ سے مجاز تھے۔ حضرت جلال پوری شہید رحمہ اللہ نے بھی اپنا اصلاحی تعلق قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے قائم فرمایا۔

حضرت شہیدؒ کے برادرِ اکبر قاری فاروق احمد صاحب راوی ہیں کہ قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے والد محترم حضرت جام شوق محمد صاحبؒ کی دعوت پر آپ کے گھر تشریف لائے۔ اس موقع پر بہت سے احباب حضرت کے ہاتھ پر بیعت کر کے توبہ کر رہے تھے، حضرت نقشبندی طریقہ کے مطابق ہر ایک کے قلب پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ فرماتے۔ حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری ابھی کم سن اور نوعمر بچے تھے، والدگرامی سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ والدگرامی قدر نے فرمایا یہ لوگ اللہ اللہ سیکھ رہے ہیں۔ اس پر مولانا شہیدؒ فرمانے لگے مجھے بھی یہ کام کرنا ہے۔ چنانچہ انہیں حضرت بہلویؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضرت نے قلب پر انگلی رکھی، توجہ فرمائی تو ساتوں لطائف جاری ہو گئے۔ سچ ہے کہ بزرگوں کی نظر مٹی کو سونا اور سونے کو کندن بنا دیتی ہے۔

حضرت بہلوی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے طریقت کے ساتھ شریعت کا بھی امام بنایا تھا۔ حضرت بہلوی رحمہ اللہ کے علوم قرآن سے ہزاروں لوگوں نے استفادہ کیا۔ حضرت جلالپوری شہید رحمہ اللہ نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت بھی فرمائی اور ان سے دورۂ تفسیر قرآن کریم بھی پڑھا۔ یوں تلمذ اور استرشاد کا حسین امتزاج ہو گیا۔

شیخ سے محبت راہِ تصوف کی شرطِ اول اور استفادہ کی پہلی سیڑھی ہے۔ آپ کو اپنے شیخ حضرت بہلویؒ سے بے پناہ محبت تھی۔ شیخ کے ساتھ اسی کامل محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ تواضع، انکساری اور قرآنی

بصیرت میں اپنے شیخ اول کا پَرتو اور عکس تھے۔ شجاع آباد تشریف آوری پر ہمیشہ اپنے شیخ کے مزار پر حاضری دیتے۔ اپنے شیخ کے خاندان اور اہلِ تعلق کی زیارت وخدمت فرماتے۔ حضرت شیخ مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی اجمالاً ہمارے بعض اکابر نے تحریر فرمائے تھے، حضرت بہلویؒ نے خود بھی ''رحمت صمدانی'' میں اپنے کچھ حالات جمع فرمائے تھے لیکن حضرت کے متعلقین اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس فرمارہے تھے کہ حضرت بہلوی رحمہ اللہ کے تفصیلی حالات جمع کئے جائیں۔ حضرت مولانا جلال پوری شہید رحمہ اللہ نے نہایت ہی عرق ریزی کے ساتھ اپنے شیخ کے حالاتِ زندگی پر ایک تفصیلی مقالہ تحریر فرمایا جو حضرت شہیدؒ کی تصنیف ''بزمِ حسین'' کی جلد اول میں اور معارفِ بہلوی کے مقدمہ میں طبع ہو چکا ہے۔

حضرت بہلویؒ نے اپنی حیات مبارکہ میں قرآن مجید کی تفسیر، فنِ حدیث میں ''مستدلات الفقہ الحنفیہ'' اور اصلاح وسلوک میں متعدد رسائل تصنیف فرمائے، یہ رسائل مرورِ زمانہ کے ساتھ نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہو گئے تھے۔ پھر ان رسائل میں پرانی اردو اور نہایت ہی مشکل علمی اسلوب اختیار کیا گیا تھا، جن سے استفادہ ہر خاص وعام کے لیے مشکل تھا۔ حضرت جلال پوری شہید رحمہ اللہ نے اپنے شیخ کے علوم ومعارف کو عام کرنے کے لئے نہایت جانفشانی سے ان رسائل کو ملک کے مختلف حضرات سے حاصل فرمایا، پھر ان کی تسہیل فرمائی اور ''معارفِ بہلوی'' کے نام سے پانچ جلدوں میں مرتب فرمایا جسے مکتبہ لدھیانوی کراچی نے شائع کر دیا ہے اور اس کے ایک سے زائد ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لے لئے گئے ہیں۔ اس کتاب نے اہلِ علم وفضل سے خوب دادوتحسین حاصل کی ہے۔

حضرت بہلوی رحمہ اللہ کی حدیث کی کتاب ''مستدلات الفقہ الحنفیہ'' بھی اہلِ علم کے لیے خاصے کی چیز ہے۔ حضرت بہلویؒ کے سلسلہ کے ایک عالم ربانی حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن ارشد جلالپوری رحمہ اللہ نے اس کتاب پر محنت فرمائی اس کی مکمل تخریج اور ایک مبسوط مقدمہ کے ساتھ بیروت سے طبع فرمائی۔ حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن ارشد رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک نسخہ پاکستان اپنے ہمراہ لائے تھے کہ ان کا اچانک انتقال ہو گیا ہے، احقر بھی ان دنوں سفر پے تھا، جنازہ میں شرکت سے محرومی ہوئی بعد میں تعزیت کے لئے مولانا مرحوم کے گھر بہادر پور جلالپور پیروالا ضلع ملتان حاضری دی تو ان کے صاحبزادگان اور بھائیوں نے یہ کتاب دکھائی جو نہایت ہی نافع، مفید اور

دیدہ زیب محسوس ہوئی۔ حضرت جلالپوری شہید رحمہ اللہ کو مولانا کی وفات حسرت آیات کی فون پر اطلاع دی اور ساتھ ہی کتاب کا تذکرہ کیا۔ حضرت شہید رحمہ اللہ اپنے سفر پنجاب میں تعزیت کے لیے احقر کے ہمراہ بہادر پور تشریف لے گئے۔ مولانا مرحوم کے والد محترم اور صاحبزادگان سے اظہارِ تعزیت فرمایا اور کتاب کا تقاضا فرمایا۔ کتاب منگوا کر دیکھی اور اسے سراہا، بعد میں قطر سے اسی کتاب کے چار نسخے منگوائے اور اپنے شیخ کی اس کتاب کو پاکستان میں بھی اپنے ذاتی مصارف سے طبع فرمادیا۔

حضرت بہلوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت شہید رحمہ اللہ نے اپنا ہاتھ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نوّر اللہ مرقدہٗ کے ہاتھ میں دے دیا اور پھر ہمیشہ کے لئے اپنے شیخ کے رفیق ومصاحب بن کر خرقۂ خلافت حاصل فرمایا۔ یہ رفاقت ومحبت ایسی کامل ہوئی کہ عالمِ دنیا کے ساتھ عالمِ برزخ میں بھی قائم رہی اور انشاء اللہ آخرت میں بھی ضرور قائم رہے گی۔ حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے بھی ہمیشہ آپ کو اپنی شفقتوں اور توجہات سے نوازا۔ صوفیاء کرام کی اصطلاح میں توجہ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) انعکاسی (۲) القائی (۳) اصلاحی (۴) اتحادی

ان چار اقسام میں سے کامل توجہ ''توجہ اتحادی'' ہوتی ہے، جس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ شیخ اپنے مرید پر ایسی توجہ ڈالتا ہے کہ مسترشد پر شیخ کا کامل رنگ چڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ مسترشد اپنے شیخ کا عکس اور مثل بن جاتا ہے۔ جیسے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ نے اپنے نان بائی مرید کو شیخ کے مہمانوں کی خدمت کرنے پر خوش ہو کر فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا مجھے اپنے جیسا بنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا ''تُو اس کا متحمل نہیں ہو سکے گا'' لیکن اس کے بار بار اصرار پر شیخ اسے کمرے میں لے گئے اور توجہ اتحادی فرمائی، جب باہر نکلے تو دونوں ایسے ہم شکل ہو گئے کہ پہچان مشکل ہو گئی۔ بس یہی ایک فرق رہا کہ خواجہ صاحب پُرسکون تھے اور مرید مضطرب و پریشان۔ بالآخر مرید اس مقام کا تحمل نہ کر سکا اور تین دن بعد دنیا سے رخصت ہو گیا۔

مولانا جلال پوری شہید رحمہ اللہ کو غالباً حضرت لدھیانوی شہیدؒ سے توجہ اتحادی میسر ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چال، ڈھال، حال وقال، تقریر وتحریر، طرزِ حیات اور بالآخر طرزِ وصال اور پھر کفن دفن، جنازہ وغیرہ میں بھی وہ حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کا عکس ونمونہ بن گئے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جن لوگوں نے مولانا لدھیانوی شہیدؒ کی زیارت و رفاقت اختیار کی اور پھر مولانا جلال پوری شہید کی رفاقت میں بھی رہے، ان کا بیان ہے کہ دونوں بزرگوں کی تقریر، اندازِ تقریر، تحریر، مضمونِ تحریر، مزاج و مذاق میں مکمل یک رنگی نظر آتی تھی حتیٰ کہ مولانا شہید کے کُرتے کا سائز بھی مولانا لدھیانوی شہیدؒ کے کرتے کے سائز جیسا ہی ہوگیا۔ مولانا لدھیانوی شہیدؒ کی جملہ دینی مساعی ان کے حصہ میں آئیں، جملہ مناصب پر وہ اپنے شیخ کا عکس نظر آتے، حتیٰ کہ دونوں بزرگوں کے یومِ شہادت، طریقِ شہادت، رفقاءِ شہادت میں بھی یکسانیت ہوگئی۔ عجب اتفاق ہے کہ مولانا لدھیانویؒ کے ڈرائیور کا نام عبدالرحمٰن تھا، وہ حضرت کے ساتھ شہید ہوئے اور انہی کے ساتھ دفن ہوئے، ایسے ہی مولانا جلالپوری شہیدؒ کے ڈرائیور عبدالرحمٰن بھی آپ کے ساتھ شہید ہوئے اور دفن ہوئے۔ دونوں بزرگوں کا جنازہ بنوری ٹاؤن میں ادا کیا گیا، شیخ اور مرید دونوں کو مسجد خاتم النّبیین میں دفن کیا گیا، دونوں کو دنیوی رفاقت کے ساتھ برزخی رفاقت نصیب ہوگئی۔

حضرت مولانا جلال پوری شہیدؒ نے اپنے شیخ حضرت لدھیانوی شہید نوّر اللہ مرقدہٗ کی شہادت کے بعد نہ صرف یہ کہ ان کے نامکمل کام مکمل فرمائے بلکہ صحیح معنوں میں ان کی جانشینی کا حق ادا فرمایا۔ انہوں نے مولانا لدھیانوی شہیدؒ کے ساتھ حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید رحمہ اللہ علیہ اور مولانا نذیر احمد تونسوی شہید رحمہ اللہ علیہ کے چھوڑے ہوئے ادھورے کام بھی پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ بینات کی ادارت ہو یا حضرتؒ کی خانقاہ کی مسند، فتنوں کا تعاقب ہو یا علمی خدمات، دارالافتاء، ختم نبوت کی مسند ہو یا روزنامہ جنگ کے اسلامی صفحہ میں ''آپ کے مسائل اور ان کا حل''، ختم نبوت کا مشن ہو یا ناموسِ صحابہ کا دفاع، سلف بیزاری کے خلاف تلوار کی دھار رکھنے والا تیز قلم ہو یا قومی اخبارات کے ادارتی صفحوں پر حق کی جنگ، اقراء روضۃ الاطفال کی سرپرستی ہو یا مدارسِ دینیہ کی خدمت، وہ ان تمام مشنوں میں اپنے پیش رو شہداء کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔

حضرت جلال پوری شہید رحمہ اللہ نے اپنے شیخ حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی شہادت کے بعد ہمہ صفت کمالات کے حامل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو اپنے اکابر کا محتاج گردانا، چنانچہ انہوں نے اپنا اصلاحی تعلق امام اہل السنّت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ سے قائم

فرمایا اور مسلسل کسبِ فیض کے لئے آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ سال میں کئی مرتبہ کراچی سے گکھڑ منڈی کا طویل و عریض سفر فرما کر اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ حضرت امام اہل السنّتؒ بھی اپنے اس مسترشد کے کمالات کو بھانپ گئے اور جو فیض حضرت نے رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل فرمایا تھا وہ نقشبندی سلسلہ حضرت مولانا جلال پوری شہیدؒ کی طرف جاری فرما کر انہیں خلافت سے سرفراز فرمایا۔

مولانا جلال پوری شہیدؒ کا امام اہل السنّتؒ سے تعلق ان کے وصال تک برابر رہا، ایک سفر میں راقم الحروف بھی حضرت جلالپوری شہیدؒ کے ساتھ حضرت امام اہل السنّتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ انہیں خلافت و اجازت تو دے چکے تھے، حضرت جلال پوری شہید کو حضرتؒ کے ان ایامِ مرض میں بھی شرفِ تلمذ کا اشتیاق ہوا۔ چنانچہ اپنے شیخ کے کمرہ کی الماری سے تفسیر قرآن اور قرآنی ربط پر عربی کتاب ''نظم الدرر'' کی ایک جلد نکالی اور اس کی عبارت حضرت کے سامنے پڑھنا شروع کر دی۔ حضرتؒ کتاب سنتے رہے، یہ قرأۃ التلمیذ علی الشیخ کی صورت تھی، جس سے علمِ تفسیر کی نسبت بھی امام اہل السنّتؒ سے حضرت جلالپوری شہیدؒ کی طرف منتقل ہو رہی تھی۔ حضرت جلال پوری شہیدؒ نے اس اعزاز میں احقر کو بھی شریک فرمایا اور احقر نے بھی کتاب کا ایک حصہ حضرت امام اہل السنّتؒ کے سامنے پڑھا۔

حضرت جلال پوری شہیدؒ صحبتِ صالحین کے لئے بے تاب رہا کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے وقت کے گرامی قدر صلحاء کی خدمت میں حاضری اور کسبِ فیض کا سلسلہ جاری رکھتے۔ وہ سراج السالکین حضرت خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم سے بھی متعلق ہو گئے، اس سلسلہ میں وہ تاحیات خانقاہ سراجیاں حضرت کی خدمتِ اقدس میں حاضری دیتے رہے حتیٰ کہ اپنی شہادت سے تقریباً ایک ہفتہ قبل وہ اپنے موجودہ شیخ حضرت خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم سے الوداعی ملاقات کر کے واصلِ حق ہوئے۔

حضرت شہیدؒ کو سید السادات حضرت سید انور حسین نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بے حد عقیدت تھی۔ ان کی خدمت میں حاضری کا شرف ہمیشہ حاصل کرتے رہے۔ انہیں اپنی علمی خدمات سے بھی مطلع فرماتے۔ کام کے سلسلہ میں مشورے بھی حاصل فرماتے اور ہمیشہ ان سے دعاؤں کے طلب گار رہتے۔ ایک سفر میں احقر بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں

حضرت شہیدؒ کے ہمراہ تھا، احقر کا اصلاحی تعلق بھی حضرت شاہ صاحبؒ سے تھا، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی مجلس کو موقوف فرما کر اپنا پورا وقت اور توجہات حضرت جلال پوری شہیدؒ کو مرحمت فرمائیں۔ گھنٹوں یہ ملاقات جاری رہی۔ حضرت شہیدؒ نے حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے فتنوں کے خلاف چند مضامین اور مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ علیہ کی دفاعِ سیدنا امیر معاویہؓ پر کتاب ''الناہیہ عن طعن معاویہ'' کا ترجمہ (حضرت لدھیانوی شہیدؒ) یکجا کر کے طبع کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا، اس کے نام کے سلسلہ میں بھی حضرت شاہ صاحب سے مشورہ فرمایا۔

حضرت شہیدؒ کے ہمراہ ایک سفر محمدی شریف ضلع جھنگ وکیل صحابہؓ، ترجمانِ اہل السنّت والجماعت حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں بھی کیا۔ حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے بھی اپنی توجہات اور شفقتوں سے نوازا۔ بینات کے لیے اپنی نادر اور علمی تحقیق پر مشتمل کچھ مضامین بھی مرحمت فرمائے۔ حضرت شہیدؒ، راقم الحروف اور رفیقِ سفر برادرِ عزیز مفتی محمد طیب معاویہ سلّمہٗ کو حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے سلسلہ میں حصن حصین کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اور اپنی سند کے ساتھ روایتِ حدیث کی بھی اجازت عنایت فرمائی۔

حضرت شہیدؒ کی برکت سے حضرتؒ کے ہمراہ راقم کو ایک سفر میں ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب رائے پوریؒ کی خدمت میں بھی حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ حضرت رائے پوریؒ کے وصال سے تقریباً ایک سال قبل یہ طویل وعریض سفر شجاع آباد سے رائے ونڈ، رائے ونڈ سے ڈھڈیاں اور سرگودھا، سرگودھا سے کندیاں شریف اور کندیاں شریف سے حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہٗ کی دعوت پر بھکر، بھکر سے براستہ ڈیرہ اسماعیل خان تونسہ اور پھر خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ اور شجاع آباد کا ہوا، اس سفر میں صلحاء کی زیارت کے ساتھ رائے ونڈ اجتماع کی دعا میں بھی شرکت شامل تھی۔

حضرت جلال پوری شہیدؒ ایکسیڈنٹ کے بعد ٹانگ کے عارضہ میں مبتلا رہتے اور زیادہ چلنے اور سفر کرنے سے ٹانگ میں شدید درد شروع ہو جاتا۔ اللہ والوں کی صحبت ورفاقت نے انہیں اپنی یہ تکلیف بھلوا دی تھی، وہ اس عارضہ کے باوجود صلحاء کی خدمت میں طویل وعریض سفر جاری رکھتے۔ حضرت جلال پوری شہیدؒ کو شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلف الرشید جمعیۃ علماء ہند کے صدر حضرت مولانا محمد ارشد مدنی مدظلہٗ سے بھی عقیدت کا تعلق تھا۔

حضرت مدنی بھی ان کے ساتھ ہمیشہ محبت واُلفت اور توجہ کا معاملہ فرماتے اور انہیں اپنے ہی قافلہ کا ایک فرد سمجھتے تھے۔

حضرت شہیدؒ کو حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کے خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہٗ سے بھی عقیدت کا تعلق تھا۔ وہ ان کی خدمت میں حاضری کے ساتھ کبھی کبھی کراچی انہیں اپنے پاس مدعو فرمالیتے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کو سفر حجاز میں بھی اپنا رفیق بنایا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے چند ہی تو بزرگ زندہ رہے ہیں، جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہٗ اور حضرت خواجہ خان محمد صاحب مدظلہٗ کا نام بھی لیتے تھے۔

کراچی میں حضرت شہیدؒ کو جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم، صدر وفاق شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہٗ سے بھی عقیدت مندانہ تعلق تھا۔ وہ تاحیات اپنے اساتذہ کرام بالخصوص حضرت مولانا منظور احمد نعمانی آف ظاہر پیر اور حضرت مولانا غلام فرید مدظلہما کے بھی خادم رہے۔

❁ ❁ ❁